الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ
مبارک پور

اشرفیہ

مئی
2025

حسن سلوک

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کوئی آسان کام نہیں، اس کے لیے بڑے صبر و تحمل اور عزم و حوصلے کی ضرورت ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب بندہ اللہ کی طرف رجوع کرے، اس سے توفیق خیر کا سوال کرے، اور کہے کہ اے اللہ! تو مجھے حسن سلوک کی نعمت سے سرفراز فرما، ہر بندۂ مومن کے ساتھ خیر خواہی، ہمدردی اور عفو و درگزر کا معاملہ کرنے کی سعادت عطا فرما، تو اللہ ایسے بندوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے، اور انھیں حسن سلوک کی لازوال دولت سے سرفراز فرماتا ہے، واقعی وہ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں جو اس نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوتے ہیں، وہ اللہ کے محبوب اور اس کے بندوں میں مقبول ہوتے ہیں۔

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

زیر سرپرستی

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ

عبدالحفیظ عزیزی

سربراہِ اعلیٰ

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

THE ASHRAFIA MONTHLY Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 50 شمارہ 5 | مئی 2025ء | ذی قعدہ 1446ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : مبارک حسین مصباحی

منیجر : محمد محبوب عزیزی

تزئین کار : مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی

مولانا محمد ادریس بستوی

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

+91 9935162520 (Manager)

زرِ تعاون

قیمت عام شمارہ: 30 روپیے

سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپیے

سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپیے

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

750 روپیے

دیگر بیرونی ممالک

$25 امریکی ڈالر　£20 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

Email : ashrafiamonthly@gmail.com
mubarakmisbahi@gmail.com
info@aljamiatulashrafia.org

BHIM

BHIM UPI Payments Accepted at

ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY
A/c No. 3672174629
Central Bank Of India
Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

ادار یــــــــــہ		بھلائی کے درخت	مہتاب پیامی	5
قــرآنیــات	تفہیـــم قرآن	حسن سلوک کی برکتیں	مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری	11
فقھیــات	آپ کے مســائل	کیا فرماتے ہیں علماے دین	مفتی محمد نظام الدین رضوی	13
درسیــات	درس وتدریس	تفسیر جلالین کیسے پڑھائیں	مفتی فیضان سرور مصباحی	16
نظــریات	فکر امــــروز	مغربی تہذیب ایک موثر قدم یا اخلاقی زوال	مولانا محمد آصف جمال مصباحی	20
اسلامیات	شــعــاعیں	بہتان کی مذمت	محمد کامران رضا گجراتی	22
شخصیــات	انـــوار حیات	پروفیسر فاروق احمد صدیقی	مولانا محمد عبدالمبین نعمانی	24
تاریخیــات	یــادمــاضی	غزہ کی تاریخ	امام الدین علیگ	28
طبیــات	حفظان صحت	بیمار.......ہوشیار	ڈاکٹر ظہور احمد دانش	34
بزم خـواتین	چراغ خــــانہ	معاشرے میں خواتین کا کردار	طیب عثمانی	36
بزم دانــش	فکر ونظــــر	دورِ جدید کے مسلم سائنس داں	اقرا بی بی/محسن رضا ضیائی	38
ادبیــــات	گوشــــۂ ادب	ض- مجھے پہچانتے ہیں؟	معین احمد	45
	نقدونــظــر	جہان حافظ ملت (جلد اول)	تبصرہ نگار: مہتاب پیامی	46
مکتــوبات	صداے بازگشت	محمد رضوان طاہر فریدی/اسماعیل بدایونی		54
سرگرمیاں	عالمی خبریں	مغربی کنارے میں رمضان		56
	خیر وخـبــر	بزم فروغ نعت کا 50واں طرحی نعتیہ مشاعرہ		57
منظـومات	خیابــانِ حرم	سید محمد نور الحسن نور نوابی/آرزو لکھنوی		58

اداریــــــہ

بھلائی کے درخت

مہتاب پیامی

"تفہیم قرآن" ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کا مستقل کالم ہے اور کالم نگار ہیں "مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری"۔ پیش نظر شمارے میں آپ نے "حسنِ اخلاق" کے موضوع پر مضمون قلم بند کیا ہے، مضمون اگرچہ مختصر لیکن لائق عمل ہے۔ بر سبیل تذکرہ ہم کہنا چاہیں گے کہ "تفہیمِ قرآن" کے حوالے سے مولانا محمد حبیب اللہ بیگ ازہری کسی تعارف کے محتاج نہیں، جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں بحیثیت استاذ خدمات انجام دے رہے ہیں، انہوں نے اپنی زندگی قرآنِ کریم کی تعلیم، تحقیق اور تفسیر کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ ان کی قرآنی خدمات کئی جہات پر مشتمل ہیں، جن میں تدریس، تحقیق، تصنیف اور عوامی وعظ و نصیحت شامل ہیں۔ ان کا اندازِ تدریس علمی و تحقیقی ہوتا ہے، جس سے طلبہ کو قرآن کی گہرائی اور وسعت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مختلف قرآنی موضوعات پر تحقیقی مضامین تحریر کرتے رہتے ہیں، اکثر مضامین ماہ نامہ "اشرفیہ" میں شائع ہوتے ہیں، تفہیم قرآن کا یہ تحریری سلسلہ قارئین میں بے حد مقبول ہے، ان کی تحریریں گہرے علمی تجزیے اور محققانہ انداز کی حامل ہوتی ہیں، جو قرآن فہمی کے شوقین افراد کے لیے نہایت مفید ہیں۔ عوام میں قرآنی شعور بیدار کرنے کے لیے جلسوں میں بھی شریک ہوتے ہیں اور جمعہ کے خطابات میں بھی قرآن فہمی کے نکات، قرآن کی روحانی، اخلاقی اور فقہی جہات کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان کی تقریریں سننے والوں کو قرآن پر غور و فکر کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی طرف راغب کرتی ہیں۔ ماہنامہ "اشرفیہ" میں ان کے لکھے گئے مضامین قرآنی علوم پر تحقیق کا ایک مستند ذریعہ سمجھے جاتے ہیں۔ ان تحریروں میں وہ جدید علمی و تحقیقی انداز میں قرآنی نکات کی وضاحت کرتے ہیں اور دورِ حاضر کے چیلنجز کے تناظر میں ان کی تطبیق پیش کرتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے تحریر کیا، مولانا ازہری نے "حسنِ اخلاق" پر قرآنی آیات کے حوالے سے گفتگو کی ہے جو انتہائی معنیٰ خیز ہے۔ ہم اپنی اس تحریر میں اسی "حسنِ اخلاق" کے عنوان پر احادیث کریمہ کی روشنی میں چند باتیں تحریر کریں گے:

احادیث نبویہ میں حسن سلوک پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے عمل سے حسن سلوک کے جو اعلیٰ ترین نمونے پیش کیے رہتی دنیا تک ان کی مثالیں پیش نہیں کی جا سکتیں۔ ہم یہاں ایسی چند احادیث پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے جن سے حسن سلوک کی اہمیت واضح ہوتی ہے:

اکمل المومنین:

اخلاق انسانی زندگی کا وہ آئینۂ جمال ہے جو نہ صرف انسان کی ذات کو نکھارتا ہے بلکہ کائنات کو بھی حسین اور خوش گوار بناتا ہے۔ اسلام میں حسنِ اخلاق کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اخلاق وہ زیور ہے جو انسان کی شخصیت کو نکھارتا، اس کے کردار کو سنوارتا اور اسے دنیا و آخرت میں کامیابی کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ حسنِ اخلاق کا نور جب کسی انسان کے وجود میں اترتا ہے، تو وہ خود کو دوسروں کے لیے باعثِ راحت اور رحمت بنالیتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے عمل سے خیر و بھلائی کے دیے جلاتا ہے، بلکہ اپنے رویے سے لوگوں کے

دلوں میں محبت، شفقت اور الفت کے بیج بوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایمان کی تکمیل کو اخلاق کی عمدگی کے ساتھ جوڑا ہے۔ ارشاد گرامی ہے:

" أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ" . رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

(مشکاۃ المصابیح، باب عشرۃ النساء، الفصل الثانی، 972/2)

یعنی کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو، اور تم میں سب سے بہترین وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرتے ہیں۔

یہ حدیث ہمیں نہ صرف حسنِ اخلاق کی اہمیت بتاتی ہے بلکہ اس بات پر بھی زور دیتی ہے کہ اصل نیکی اور بھلائی اس کے گھر والوں، خصوصًا اس کی شریکِ حیات کے ساتھ حسنِ سلوک میں ظاہر ہوتی ہے۔

ایمان محض ظاہری عبادات کا نام نہیں، بلکہ یہ دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والا وہ نور ہے جو بندے کے کردار میں نرمی، محبت، اور خیر خواہی کو پروان چڑھاتا ہے۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے، اس کی زبان میٹھے بول بولتی ہے، اس کی آنکھیں ہمدردی اور غم گساری کے نور سے چمکتی ہیں اور اس کے رویے میں دوسروں کے لیے راحت اور سکون کا سامان موجود ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقِ حسنہ کو دین کی بنیاد قرار دیا۔ ارشادِ گرامی ہے:

"إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الأَخْلَاقِ ."(مسند احمد:8952)

یعنی مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کروں۔

تاریخ وسیرت سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اخلاق کی اعلیٰ ترین منزل پر فائز ہے۔ آپ نے ہمیشہ درگذر سے کام لیا اور امت کو ہمیشہ درگزر سے کام لینے کا ہنر سکھایا، آپ نے بتایا کہ دوسروں کے جذبات کا احترام کس طرح کیا جائے، آپ نے سمجھایا کہ اپنے برتاؤ کی خوشبوؤں سے کیسے معاشرے کو مہکایا جا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "بہترین مرد وہ ہے جو اپنے گھر میں بہترین ہو۔"

یہ حقیقت ہے کہ انسان کی اصل شخصیت کا اندازہ اس کے گھریلو تعلقات سے ہی ہوتا ہے۔ باہر کی دنیا میں تو ہر شخص اچھا بننے کی کوشش کرتا ہے، مگر حقیقت میں اچھا وہی ہے جو اپنے قریبی رشتوں کے ساتھ حسنِ سلوک رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصطفیٰ کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ "تم میں سب سے بہتر وہی ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو"۔

اور جب شریکِ حیات کا ذکر ہو تو اس کی محبت، عزت اور حقوق کا خیال رکھنا مرد کی شرافت اور عظمت کی نشانی ہے۔ خود پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازدواجی زندگی میں حسنِ سلوک کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم کی ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جس بے مثال وفاداری کا ثبوت آپ نے پیش کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جس بے نظیر محبت کا اظہار فرمایا، تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے آج بھی قاصر ہے۔ بے شک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار کی روشنی آج بھی ہر رشتے کو بنانے، سنوارنے اور نبھانے کے لیے کافی ہے۔

نرمی کا حسن:

انسانی رویے کا تمام حسن و جمال نرمی، محبت اور شفقت میں پوشیدہ ہے۔ نرم لہجہ، شائستہ انداز، اور مہربان دل نہ صرف دلوں

کو جیت لیتا ہے بلکہ انسان کو خدا کے قریب بھی کر دیتا ہے۔ اس دنیا میں اگر کوئی چیز سخت دلوں کو پگھلا سکتی ہے، دشمن کو دوست بنا سکتی ہے، اور بکھرے ہوئے رشتوں کو جوڑ سکتی ہے، تو وہ نرمی اور حسنِ سلوک ہی ہے۔ یہی وہ خوبی ہے جس کی تاکید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا فرمائی اور خود اپنے عمل سے دنیا کے سامنے ایک بہترین مثال پیش کی۔ ارشاد فرمایا:

”إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ.“

(الصحیح لمسلم، كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالآدَابِ، باب فصل الرفق، 8/ 22، رقم الحدیث: 2594)

نرمی جس چیز میں بھی ہو، اسے خوبصورت بنا دیتی ہے اور جس چیز سے نکال دی جائے، اسے بدنما کر دیتی ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

”إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ.“ (ایضاً، 8/ 22، رقم الحدیث: 2593)

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا اور نرمی کو پسند فرمانے والا ہے، اور نرمی پر وہ کچھ عطا کرتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا اور نہ ہی کسی اور چیز پر دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ نرمی صرف ایک اچھا رویہ نہیں، بلکہ یہ خدائی صفت ہے، اور جو اس صفت کو اپناتا ہے، وہ اللہ کی رحمت اور برکتوں کا مستحق بن جاتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ نرم خوئی نے وہ معرکے سر کیے ہیں جو سختی اور جبر سے کبھی سر نہ ہو سکے۔ اگر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں قدم قدم پر نرمی اور بردباری کے حسین اور تابندہ نقوش ملتے ہیں، وہ دشمن جو آپ کے خون کے پیاسے تھے، وہی آپ کی شفقت اور نرم رویے کے اسیر ہوتے نظر آتے ہیں۔ طائف میں جب قدم مبارک زخمی ہو گئے، فرشتوں نے پیش کش کی کہ وہ اس قوم کو تباہ کر دیں، مگر ہمارے آقا تو رحمۃ للعالمین ہیں، فرمایا: نہیں، میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی نسلوں میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اس کے واحد ہونے کا اقرار کریں گے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؂

طائف میں مصطفیٰ کے کرم کی ہوا چلی
پتھر چلے اُدھر سے، اِدھر سے دُعا چلی

یہ تھا وہ صبر، وہ نرمی، اور وہ حسنِ سلوک جس نے صدیوں کے گھٹاٹوپ اندھیرے کو مینارۂ نور میں تبدیل کر دیا۔

یہ مشاہدہ ہے کہ جہاں نرمی محبت کی فضا قائم کرتی ہے، وہیں سختی اور درشتی انسان کو تنہائی کی کھائی میں دھکیل دیتی ہے۔ ایک سخت گیر شخص لوگوں کو اپنی سخت مزاجی سے بدظن کر دیتا ہے، وہ نہ صرف دوسروں کے لیے باعثِ اذیت بنتا ہے بلکہ خود بھی ایک تنگ اور بوجھل زندگی گزارتا ہے۔ جب کہ اس کے بالمقابل نرم خو شخص خود بھی خوش و خرم رہتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی راحت و رحمت کا باعث بنتا ہے۔

ہم روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ سخت لہجے سے بات بگڑ جاتی ہے، معمولی جھگڑے بڑے تنازعات میں بدل جاتے ہیں، اور محض ایک درشت جملہ کسی رشتے کی بنیادیں ہلا دیتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”نرمی وہ نعمت ہے جس سے

دنیا اور آخرت میں بھلائی ہی بھلائی ہے، اور جس چیز سے نرمی نکال دی جائے، وہ بگاڑ اور تباہی کا شکار ہو جاتی ہے۔

نرمی کا آغاز گھر سے ہوتا ہے۔ اگر والدین اپنے بچوں کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آئیں، تو وہ اعتماد اور عزتِ نفس کے حامل بنتے ہیں۔ اگر میاں بیوی کے درمیان نرمی ہو، تو گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اگر استاد اپنے شاگردوں سے نرمی برتے، تو وہ علم کی روشنی کو کھلے دل سے قبول کرتے ہیں۔ معاشرتی سطح پر نرمی امن اور محبت کی بنیاد رکھتی ہے۔ ایک اچھا حکمران وہی ہوتا ہے جو رعایا کے ساتھ نرم رویہ رکھے۔ ایک کامیاب تاجر وہی ہوتا ہے جو معاملات میں نرمی اختیار کرے۔ یہاں تک کہ دین کی تبلیغ میں بھی نرمی کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اللہ کی رحمت انھی لوگوں کے قریب آتی ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں، ان کے ساتھ نرمی اور محبت کا برتاؤ کرتے ہیں، اور سختی و جبر سے گریز کرتے ہیں۔

اگر ہم دنیا اور آخرت میں کامیابی چاہتے ہیں، اگر ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہمیں پسند کریں، ہم سے محبت کریں، اور ہمیں دعاؤں میں یاد رکھیں، تو ہمیں اپنے لہجے میں نرمی، رویے میں شفقت، اور مزاج میں بردباری پیدا کرنی ہوگی۔ یاد رکھیے، نرمی روشنی ہے، اور سختی اندھیرا۔ روشنی کو اپنا لیجیے، تاکہ دنیا اور آخرت دونوں جگمگا اٹھیں۔

زندگی کی سب سے حسین صفت — رحمت:

رحمت، وہ پاکیزہ جذبہ ہے جو دلوں کو جوڑتا، نفرتوں کو مٹاتا اور دنیا کو محبت اور امن کا گہوارہ بنا دیتا ہے۔ یہی وہ صفت ہے جس کے بغیر انسانیت ادھوری اور معاشرہ بے روح ہوتا ہے۔ جو شخص دوسروں کے لیے رحمت کا سبب نہیں بنتا، وہ نہ صرف انسانیت کے تقاضے پورے کرنے میں ناکام رہتا ہے، بلکہ خود بھی اللہ کی رحمت سے محروم ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

لَا يَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ. (مسلم: 2319)

یعنی: ”اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔“

یہ حدیث ایک ایسے اصول کی نشان دہی کرتی ہے جو نہ صرف دینی تعلیمات کا بنیادی جز ہے بلکہ دنیا میں امن، سکون اور محبت کی ضمانت بھی ہے۔

اگر کائنات کے بکھرے ہوئے رنگوں کو ایک نظر دیکھا جائے، تو ہر چیز میں اللہ کی رحمت کی جھلک نظر آتی ہے۔ ماں کی ممتا میں، باپ کی شفقت میں، آسمان کی رفعت میں، زمین کے وسعت میں، بارش کی بوندوں میں، ہواؤں کے جھونکوں میں، درختوں کے سائے میں، ہر مقام پر ہر چیز انسان پر اللہ کی رحمت کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو دوسروں کو معاف کر دیتا ہے، ان کی غلطیوں سے درگزر کرتا ہے، اور لوگوں کی تکالیف کو اپنی تکلیف سمجھ کر ان کے دکھوں کو بانٹتا ہے، وہی اللہ کی رحمت کا حقیقی مستحق بنتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی رحمت و شفقت کی عملی تفسیر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ”رحمت للعالمین“ کے لقب سے نوازا، ہمارے آقا کی رحمت صرف مسلمانوں یا اہلِ عرب کے لیے مخصوص نہ تھی بلکہ ہر انسان، ہر جان دار، حتیٰ کہ چرند پرند اور درختوں تک کے لیے عام تھی۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا ایک خوب صورت اور پرامن جگہ بنے، تو ہمیں اپنے دلوں میں رحم، شفقت اور ہمدردی پیدا کرنی ہوگی۔ ایک ایسے معاشرے کا تصور کرنا اور اس کی تشکیل کے لیے کام کرنا ہوگا جہاں والدین اپنے بچوں کے ساتھ شفقت برتیں، استاد

اپنے شاگردوں پر سختی کے بجائے نرمی اختیار کرے، دولت مند غربا اور ضرورت مندوں پر رحم کریں، طاقت ور کمزوروں کو سہارا دیں، حکمران اپنی رعایا کے لیے سراپا رحمت بن جائیں، اور اگر ایسا ہو جائے تو یقیناً یہ دنیا جنت کا نمونہ بن سکتی ہے۔

جس دل میں رحم نہ ہو، وہ سخت اور بے جان ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص دوسروں کے لیے نہ محبت رکھتا ہے، نہ ہمدردی۔ وہ ہمیشہ دوسروں کو کمتر سمجھتا ہے اور اپنی ذات کے خول میں قید ہو جاتا ہے۔ ایک بے رحم شخص اپنے گرد دیواریں تو کھڑی کر لیتا ہے، لیکن ان دیواروں کے اندر تنہائی، غم اور اندھیرا ہوتا ہے۔ حدیثِ نبوی ہمیں خبردار کرتی ہے کہ جو رحم نہیں کرتا وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ کیا کوئی خسارے کا سودا اس سے بڑا ہو سکتا ہے؟ دنیا کی ہر چیز انسان کو مل سکتی ہے، لیکن اگر وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو گیا، تو وہ سب کچھ پا کر بھی خالی ہاتھ رہ جائے گا۔

اگر ہم اللہ کی رحمت کے طلب گار ہیں، تو ہمیں خود بھی رحم دل بننا ہوگا۔ چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام، محتاجوں کی مدد، بیماروں کی تیمار داری، مظلوموں کی حمایت، یہ سب وہ راستے ہیں جو ہمیں اللہ کی رحمت تک پہنچاتے ہیں۔ یاد رکھیے، دنیا کی سب سے حسین چیز محبت اور رحم ہے۔ یہ جتنی تقسیم کی جائے، اتنی ہی بڑھتی ہے۔ آئیں، ہم بھی اپنی زندگی کو اس نور سے منور کریں، تاکہ اللہ کی رحمت ہمارے شاملِ حال ہو اور ہم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکیں۔

مسکرانا بہت ضروری ہے:

دنیا میں ہر چیز کی قدر و قیمت اس کے حجم اور مادی حیثیت سے جانچی جاتی ہے، مگر کچھ چیزیں ایسی ہیں جو بظاہر معمولی نظر آتی ہیں، لیکن ان کی معنویت آسمان کی بلندیوں کو چھوتی ہے۔ ایک نرم لہجہ، ایک مسکراہٹ، ایک ہمدردانہ نظر، یا کسی کو محبت بھرا سلام کہنا — یہ سب وہ اعمال ہیں جو دیکھنے میں تو بظاہر بہت چھوٹے ہیں مگر حقیقت میں بے حد قیمتی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا، وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ.(الصحیح لمسلم، كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالآدَابِ، بَابُ اسْتِحْبَابِ طَلَاقَةِ الْوَجْهِ عِنْدَ اللِّقَاءِ، 8/ 37، رقم الحدیث:2626)

کسی نیکی کو ہرگز معمولی نہ سمجھو، چاہے وہ تمھارا اپنے بھائی سے مسکراتے ہوئے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔

یہ حدیث ایک ایسا سنہری اصول ہے جو ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ نیکی کا کوئی بھی عمل حقیر نہیں ہوتا۔ بعض اوقات ایک چھوٹا سا نیکی کا کام بھی دلوں کو بدل سکتا ہے، زندگیوں میں خوشیاں بکھیر سکتا ہے، اور اللہ کی رضا کے دروازے کھول سکتا ہے۔

مسکراہٹ بظاہر بہت چھوٹی چیز ہے، مگر انتہائی قیمتی نیکیوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ انسانی چہرہ جذبات کا آئینہ ہوتا ہے۔ چہرے پر خوشی کی روشنی ہو، نرم لہجے کی مٹھاس ہو، تو سامنے والے کا دل خود بخود کھنچنے لگتا ہے۔ جگر مرادآبادی نے یوں ہی تو نہیں کہا کہ:

صداقت ہو تو دل سینوں میں کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

ہمارے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراہٹ کو صدقہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ صَدَقَةٌ." (ترمذی، رقم الحدیث 1956)

یعنی "تمھارا اپنے بھائی کے لیے مسکرانا بھی صدقہ ہے۔"

کافی عرصہ پہلے اس عنوان پر تین شعر کی ایک مختصر نظم کہی تھی، جسے یہاں پیش کر دینا مناسب ہوگا۔

فرمایا ایک بار یہ میرے رسول نے
تحفے تم اپنے دوست کو دیتے رہا کرو
سن کر یہ بات عرض کیا ایک شخص نے
وہ کیا کرے کہ طاقتِ تحفہ نہ جس میں ہو؟
یوں لب کشا ہوئے مرے سرکارِ ذی وقار
"ایسا بھی تو نہیں کہ تبسم نہ دے سکو"

بظاہر تو یہ معمولی سا عمل ہے لیکن کسی مایوس دل کے لیے امید کی کرن بن سکتا ہے، کسی تھکے ہارے انسان کے لیے حوصلے کا ذریعہ بن سکتا ہے، اور کسی پریشان حال شخص کی خزاں رسیدہ حیات میں بہارِ جاودانی کا خوش گوار جھونکا ثابت ہو سکتا ہے۔

یاد رکھیے نیکی کے لیے ہمیشہ بڑے وسائل یا عظیم کارنامے ضروری نہیں ہوتے۔ بعض اوقات ایک چھوٹا سا عمل بھی بے حد بابرکت ہو سکتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے راستے سے ایک کانٹے دار شاخ ہٹائی، اللہ نے اس کی اس معمولی نیکی کو پسند فرمایا اور اسے جنت عطا کر دی۔ ایک اور حدیث میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی عورت کا ذکر کیا جو صرف ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے مغفرت کی حق دار بن گئی۔

مسکراہٹ کی طرح اچھے الفاظ بولنا بھی بڑی نیکی ہے، بعض اوقات کسی مایوس انسان کے لیے چند ہمدردی بھرے الفاظ اس کے دل کی اجڑی دنیا کو آباد کر سکتے ہیں۔

نیکی بھرے ان اعمال کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ. (الزلزال:7)

یعنی جو ذرہ برابر (بھی) نیکی کرے گا، وہ اسے دیکھ لے گا۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نیکی چاہے کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ اسے کبھی ضائع نہیں فرماتا۔ بعض اوقات ہمارے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کہ صرف بڑی عبادات ہی ہمیں اللہ کے قریب کر سکتی ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر چھوٹے اعمال بھی اخلاص و للّٰہیت کے جذبے کے ساتھ کیے جائیں تو انسان کو بڑے درجے تک پہنچا سکتے ہیں۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا کہ نیکی کا انتظار نہ کرو، بلکہ خود سے پہل کرو۔ اگر تمھارے پاس کچھ نہیں تو کم از کم اپنے چہرے کی مسکراہٹ اور نرم مزاجی ہی دوسروں کو دے دو، کسی کو دعا ہی دے دو، کسی کو راستہ ہی بتا دو، کسی کی غلطی پر نرمی ہی اختیار کر لو، کسی چھوٹے بچے کو پیار ہی کر لو، کسی بیمار کی عیادت ہی کر لو۔ یہ سب چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا اجر بہت بڑا ہے۔ اس حدیث کا پیغام واضح ہے کہ نیکی کا کوئی عمل معمولی نہیں۔ ایک چھوٹا سا حسنِ سلوک، ایک مسکراہٹ، یا چند ہمدردی کے بول بھی ہمارے اعمال کے میزان کو بھاری کر سکتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہر لحہ نیکی کی تلاش میں رہیں، اور جہاں بھی موقع ملے، بھلائی کے درخت لگاتے جائیں۔

جی چاہتا ہے کہ اس موضوع پر اور کچھ لکھا جائے، لیکن صفحات کی تنگی دامن گیر ہے، آئندہ پھر کبھی اس موضوع کے دیگر گوشوں پر کچھ عرض کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ■■■

تفہیم قرآن

حسنِ سلوک کی برکتیں

محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

اللہ رب العزت سورۂ فصلت کی آیت نمبر ۳۴-۳۶ میں ارشاد فرماتا ہے: وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾

بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی، برائی کو بھلائی سے ٹال دو، تبھی تم دیکھوگے کہ تمھارا دشمن پکا دوست ہو جائے گا۔ یہ توفیق صرف صبر والوں کو ملتی ہے، اور صرف انھی کو ملتی ہے جو خوش قسمت ہوتے ہیں۔ اور اگر شیطان تمھیں وسوسہ ڈالے تو اللہ کی پناہ مانگو، بے شک وہی سننے اور جاننے والا ہے۔

ان آیات کے مطابق نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتے، بھلائی اور برائی ایک جیسے نہیں ہو سکتے، کیوں کہ بھلائی اللہ کو محبوب ہے اور برائی اللہ کو ناپسند ہے، بھلائی کے اثرات اچھے اور مفید ہوتے ہیں، برائی کے اثرات خراب اور نقصان دہ ہوتے ہیں، بھلائی کرنے سے دلوں میں الفت و محبت پیدا ہوتی ہے، اور برائی کرنے سے نفرت و عداوت جنم لیتی ہے، بھلائی کرنے والے معاشرے میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، اور لوگ ان سے محبت کرتے ہیں، جب کہ برائی کرنے والے ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور لوگ ان سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں، اسی لیے قرآن کریم نے واضح طور پر فرمایا کہ بھلائی اور برائی ایک جیسے نہیں ہو سکتے، اور دونوں کے نتائج و اثرات بھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے، اسی لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمیشہ بھلائی اختیار کی جائے اور برائی سے دوری برتی جائے، بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ برائی کو بھی ایسے ہی اپنا لیتے ہیں، جیسے بھلائی کو اپنانے کا حکم ہے، اور کچھ لوگ وہ بھی ہیں جن کا عمل دوسروں کے تابع ہوا کرتا ہے، یعنی جب کوئی ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہے تو وہ بھلائی کرتے ہیں، اور جب کوئی ان کے ساتھ برا کرے تو وہ بھی برائی پر اتر آتے ہیں، ایسے افراد کو معلوم ہونا چاہیے کہ بھلائی بہر صورت اچھی ہوتی ہے، اور اس کے اثرات بہتر اور نتیجہ خیز ہوتے ہیں، اسی لیے ہمیشہ بھلائی کی عادت بنانا چاہیے، بطور خاص اگر کوئی ہمارے ساتھ بد سلوکی کرے تو اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہیے، کیوں کہ جس طرح آگ، آگ کو نہیں بجھا سکتی، اور غلاظت، غلاظت کو دور نہیں کر سکتی، بالکل اسی طرح برائی، برائی کو نہیں مٹا سکتی، اور معقول سی بات ہے کہ برائی جب یک طرفہ ہوتی ہے تو کمزور ہوتی ہے، اور جب دونوں طرف سے ہو جائے تو شدت اختیار کر جاتی ہے، اور ہر طرح کے خیر کے دروازے بند کر دیتی ہے، اسی لیے سامنے سے جس شدت کی برائی ہو اسی شدت کے ساتھ اس کا مقابلہ ہونا چاہیے، جب بھی ایسا ہوگا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ برائی شکست کھا جائے گی، اور بھلائی غالب ہو کر سارے معاشرے پر اپنے ہمہ گیر اثرات مرتب کرے گی، اسی کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔

یعنی برائی کو بھلائی سے ٹال دو، جبھی تم دیکھوگے کہ تمھارا دشمن پکا دوست ہو جائے گا۔

قرآن نے یہ نہیں فرمایا کہ برائی کا مقابلہ معمولی بھلائی سے کرو، بلکہ یہ فرمایا کہ برائی کا مقابلہ اعلیٰ درجے کی بھلائی سے کرو، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ شخص تمھارا سچا اور وفادار دوست بن جائے گا جس سے تمھاری براہ راست دشمنی تھی۔

آج کے دور قحط الرجال میں اچھے انسان بھی بہت کم نظر آتے ہیں، چہ جائے کہ کوئی مخلص دوست ملے، کبھی ایسا محسوس

ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بڑے سے بڑا سرمایہ لگا کر بھی اچھا دوست پیدا نہیں کیا جا سکتا، ایسے گرانی کے ماحول میں اگر کسی کو مخلص دوست اور وفادار ساتھی کی تلاش ہو تو اسے لوگوں کے ساتھ اچھے طریقے پر پیش آنے کا ہنر سیکھنا چاہیے، بطور خاص برائی کرنے والوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا مزاج پیدا کرنا چاہیے، جب کوئی بندہ اللہ کی رضا کے لیے برائی کرنے والوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا عزم کر لیتا ہے تو اللہ اس کے دشمنوں کے دلوں میں ایسی محبت ڈال دیتا ہے جس کی نظیر قرابت داروں اور گہرے دوستوں میں بھی نہیں ملتی، حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صل من قطعك، وأعط من حرمك، واعف عمن ظلمك. (مسند احمد)

جو تم سے تعلق منقطع کرے تم اس کے ساتھ تعلق قائم کرو، جو تمھیں محروم کرے تم اسے عطا کرو، جو تم پر زیادتی کرے تم اسے درگزر کرو۔ یعنی بد سلوکی کے بدلے حسن سلوک کرو۔

یوں ہی کوئی غضب ناک لہجہ اختیار کرے تو اس کے ساتھ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرو، کوئی زبان درازی کرے تو اس سے روگردانی کرو، اور کوئی گالی گلوج کرے تو اللہ سے دعا کرو کہ اے اللہ! اگر میں غلط ہوں تو میری اصلاح فرما، اور اگر وہ غلط ہے تو اسے معاف کر دے۔

یہی اسلامی تعلیم ہے اور یہی قرآن کا پیغام ہے، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج بروں کے ساتھ بھلائی کرنا تو درکنار، بھلائی کرنے والوں کے ساتھ بھی برا سلوک کیا جاتا ہے، جس کا منفی اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنے پرائے بن جاتے ہیں، اور دوستی، دشمنی میں بدل جاتی ہے۔

روایتوں میں ہے کہ مذکورہ بالا آیات حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں، اسلام لانے سے آپ پہلے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے، اسلام اور پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سخت مخالف تھے، اس کے باوجود نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی صاحب زادی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت کا شرف بخشا، اور آپ کے ساتھ خاندانی تعلقات استوار کیے تو آپ نے اسلام قبول کر لیا، اور جاں نثار صحابی بن گئے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کوئی آسان کام نہیں، اس کے لیے بڑے صبر و تحمل اور عزم و حوصلے کی ضرورت ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب بندہ اللہ کی طرف رجوع کرے، اس سے توفیق خیر کا سوال کرے، اور کہے کہ اے اللہ! تو مجھے حسن سلوک کی نعمت سے سرفراز فرما، ہر بندۂ مومن کے ساتھ خیر خواہی، ہمدردی اور عفو و درگزر کا معاملہ کرنے کی سعادت عطا فرما، تو اللہ ایسے بندوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے، اور انھیں حسن سلوک کی لازوال دولت سے سرفراز فرماتا ہے، واقعی وہ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں جو اس نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوتے ہیں، وہ اللہ کے محبوب اور اس کے بندوں میں مقبول ہوتے ہیں، فرمایا: وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۔

حسن سلوک کی توفیق سب کو نہیں ملتی، یہ توفیق صرف اور صرف صبر کرنے والوں کو ملتی ہے، اور انھی کو ملتی ہے جو خوش قسمت ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے، وہ نہیں چاہتا کہ بندوں کو توفیق خیر ملے، وہ نہیں چاہتا کہ بندے حسن سلوک کے خوگر بنیں، صبر و تحمل کے پیکر بنیں، اور رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چل کر اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کریں، اسی لیے اس راہ میں نفس و شیطان سے بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، شیطان کے مکر و فریب سے حفاظت کا صرف ایک ذریعہ ہے، اور وہی سب سے موثر اور کامیاب ذریعہ ہے، اور وہ یہ ہے:

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۶

اور اگر شیطان تمھیں وسوسہ ڈالے تو اللہ کی پناہ مانگو، بے شک وہی سننے اور جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسن عمل کی توفیق فرمائے، اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کی توفیق عطا فرمائے، آمین، یا رب العالمین۔ ■■■

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین
سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

آپ کے مسائل

مفتی محمد نظام الدین رضوی

شوال میں عمرہ کرنے والے پر کیا حج فرض ہے؟

سوال: شوال میں عمرہ کرنے والے پر کیا حج فرض ہے، فقہی جزئیات کیا بتاتے ہیں۔؟

جواب: بہار شریعت اور دوسری کتب معتمدہ مثل خانیہ، در مختار وغیرہ کے فقہی جزئیات شاہد ہیں کہ شوال میں عمرہ کرنے والے پر حج فرض ہے، جب کہ اس نے پہلے حج نہ کیا ہو، ہم یہاں اختصار اور آسانی کے لیے صرف بہار شریعت کی عبارات پیش کرتے ہیں:

حج واجب ہونے کے شرائط

حج واجب ہونے کی آٹھ شرطیں ہیں، جب تک وہ سب نہ پائی جائیں حج فرض نہیں:

(1) **اسلام:** مسلمان کو اگر استطاعت تھی اور حج نہ کیا تھا، اب فقیر ہو گیا تو اب بھی فرض ہے۔ در مختار رد المحتار۔

عمرہ کرنے والے پر مکہ شریف میں قیام کی وجہ سے حج فرض ہو گیا مگر وطن آنے پر فقیر ہو گیا تو بھی حج فرض رہنا چاہیے۔ بہار شریعت کے اس جزئیہ سے یہ روشنی ملتی ہے۔

(2) **دار الاسلام میں ہے** تو اگرچہ حج فرض ہونا معلوم نہ ہو فرض ہو جائے گا کہ دار الاسلام میں فرائض کا علم نہ ہونا عذر نہیں۔ (عالمگیری)

(3) **بلوغ (بالغ ہونا)**

(4) **عاقل ہونا:** مجنون پر حج فرض نہیں۔

(5) **آزاد ہونا:** آج کے زمانے میں انسان آزاد ہی ہوتے ہیں۔

(6) **تندرست ہونا:** کہ حج کو جا سکے، اعضا سلامت ہوں، انکھیارا ہو۔

اپاہج اور فالج والے اور جس کے پاؤں کٹے ہوں اور بوڑھے پر کہ سواری پر خود نہ بیٹھ سکتا ہو حج فرض نہیں۔ یوہیں اندھے پر بھی واجب نہیں اگرچہ ہاتھ پکڑ کر لے چلنے والا اُسے ملے۔

ان سب پر یہ بھی واجب نہیں کہ کسی کو بھیج کر اپنی طرف سے حج کرا دیں یا وصیت کر جائیں اور **اگر تکلیف اُٹھا کر حج کر لیا تو صحیح ہو گیا اور حجۃ الاسلام ادا ہوا یعنی اس کے بعد اگر اعضا درست ہو گئے تو اب دوبارہ حج فرض نہ ہو گا وہی پہلا حج کافی ہے۔** (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: اگر پہلے تندرست تھا اور دیگر شرائط بھی پائے جاتے تھے اور حج نہ کیا، پھر اپاہج وغیرہ ہو گیا کہ حج نہیں کر سکتا تو اس پر وہ حج فرض باقی ہے۔ خود نہ کر سکے تو حجِ بدل کرائے۔ (عالمگیری وغیرہ)

(7) **سفر خرچ کا مالک ہو اور سواری پر قادر ہو:** خواہ سواری اس کی مِلک ہو یا اس کے پاس اتنا مال ہو کہ کرایہ پر لے سکے۔ اگر عاریۃً سواری مِل جائے گی جب بھی فرض نہیں۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: سفر خرچ اور سواری پر قادر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ چیزیں اُس کی حاجت سے فاضل ہوں یعنی مکان و لباس و خادم اور سواری کا جانور اور پیشہ کے اوزار اور خانہ داری کے سامان اور دَین (بقایا) سے اتنا زائد ہو کہ سواری پر مکہ معظمہ جائے اور وہاں سے سواری پر واپس آئے۔ اور جانے سے واپسی تک عیال کا نفقہ اور مکان کی مرمت کے لیے کافی مال چھوڑ جائے اور جانے آنے میں اپنے نفقہ اور گھر اہل و عیال کے

نفقہ میں قدرِ متوسط کا اعتبار ہے، نہ کمی ہو، نہ اسراف۔

عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا نفقہ اُس پر واجب ہے، یہ ضروری نہیں کہ آنے کے بعد بھی وہاں اور یہاں کے خرچ کے بعد کچھ باقی بچے۔(درمختار، عالمگیری)

مسئلہ: مکہ معظمہ یا مکہ معظمہ سے تین دن سے کم کی راہ والوں کے لیے سواری شرط نہیں، اگر پیدل چل سکتے ہوں تو ان پر حج فرض ہے اگرچہ سواری پر قادر نہ ہوں اور اگر پیدل نہ چل سکیں تو اُن کے لیے بھی سواری پر قدرت شرط ہے۔(عالمگیری، ردالمحتار)

ہم اسی کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ عمرہ کرنے والا مکہ معظمہ پہنچ جائے تو اس پر حج فرض ہے۔

مسئلہ: میقات سے باہر کا رہنے والا جب میقات تک پہنچ جائے اور پیدل چل سکتا ہو تو سواری اُس کے لیے شرط نہیں، لہٰذا اگر فقیر ہو جب بھی اُسے حج فرض کی نیت کرنی چاہیے۔ نفل کی نیت کرے گا تو اُس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا اور مطلق حج کی نیت کی یعنی فرض یا نفل کچھ معین نہ کیا تو فرض ادا ہو گیا۔(منسک، ردالمحتار)

اور عمرہ کرنے والا حج فرض ہونے کے وقت سواری پر قادر ہوتا ہے۔ حالاں کہ اگر پیدل چل سکتا ہو تو سواری اس کے لیے شرط نہیں۔

مسئلہ: پیدل کی طاقت ہو تو پیدل حج کرنا افضل ہے۔ حدیث میں ہے: ”جو پیدل حج کرے، اُس کے لیے ہر قدم پر سات سو نیکیاں ہیں۔“(ردالمحتار)

مسئلہ: فقیر نے پیدل حج کیا پھر مال دار ہو گیا تو اُس پر دوسرا حج فرض نہیں۔(عالمگیری)

یہ دونوں مسئلے خاص طور پر ذہن میں رکھے جائیں۔

(8) **وقت:** یعنی حج کے مہینوں میں تمام شرائط پائے جائیں۔(اور شوال حج کا مہینہ ہے۔ن)

(بہار شریعت، حصہ: 6، حج کا بیان، انتخاب از ص:1036، 1037، 1038، 1039، 1040، 1041، 1042، 1043)

ان عبارات میں حج فرض ہونے کے آٹھ شرائط شمار کرائے گئے ہیں اور وہ سب شرائط مکہ شریف میں معتمر کے قیام کے وقت اس کے حق میں پائے جاتے ہیں اس لیے اس پر حج فرض ہے۔

ہاں اگر کوئی... خدا نہ کرے... فالج زدہ یا اپاہج کے جیسا معذور ہو تو اس پر مکہ شریف میں قیام کی وجہ سے حج فرض نہیں ہوگا مگر ایسے معذور عمرہ کے لیے نہیں جاتے اور فقہ کے احکام اکثر کے لحاظ سے جاری ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حج فرض ہو گیا مگر حج کا ویزا نہیں تو کیا کریں:

سوال: حج تو فرض ہو گیا مگر وہ حج نہیں کر سکتا کہ اس کے لیے حکومت کی طرف سے حج کا ویزا نہیں ہے اور بغیر حج کے ویزا کے وہ حج نہیں کر سکتا۔

جواب: یہ صحیح ہے کہ وہ حج کا ویزا نہ ہونے کی وجہ سے اس سال حج نہیں کر سکتا، مگر ”حج کا ویزا“ حج کے وجوبِ ادا کی شرط ہے اور گفتگو کا مرکز، اصل وجوب ہے، وجوب ادا نہیں۔ یہ روشنی بھی بہار شریعت کے منبع نور سے ہی حاصل کیجیے، کلمات ہیں:

وجوب ادا کے شرائط

یہاں تک وجوب کے شرائط کا بیان ہوا اور شرائطِ ادا کہ وہ پائے جائیں تو خود حج کو جانا ضروری ہے اور سب نہ پائے جائیں تو خود جانا ضروری نہیں بلکہ دوسرے سے حج کرا سکتا ہے یا وصیت کر جائے مگر اس میں یہ بھی ضرور ہے کہ حج کرانے کے بعد آخر عمر تک خود قادر نہ ہو ورنہ خود بھی کرنا ضرور ہوگا۔ وہ شرائط یہ ہیں:

(1) **راستہ میں امن ہونا** یعنی اگر غالب گمان سلامتی ہو تو جانا واجب۔ اور غالب گمان یہ ہو کہ ڈاکے وغیرہ سے جان ضائع ہو جائے گی تو جانا ضرور نہیں، جانے کے زمانے میں امن ہونا شرط ہے پہلے کی بدامنی قابلِ لحاظ نہیں۔(ردالمحتار، عالمگیری)

(2) عورت کو مکہ تک جانے میں تین دن یا زیادہ کا راستہ ہو تو اُس کے ہمراہ شوہر یا **محرم ہونا شرط ہے**، خواہ وہ عورت جوان ہو یا بوڑھیا۔ اور تین دن سے کم کی راہ ہو تو بغیر محرم اور

شوہر کے بھی جاسکتی ہے۔ محرم سے مراد وہ مرد ہے جس سے ہمیشہ کے لیے اُس عورت کا نکاح حرام ہے۔

مسئلہ: عورت کے نہ شوہر ہے، نہ محرم تو اس پر یہ واجب نہیں کہ حج کو جانے کے لیے نکاح کرلے اور جب محرم ہے تو حج فرض کے لیے محرم کے ساتھ جائے اگرچہ شوہر اجازت نہ دیتا ہو۔ نفل اور منّت کا حج ہو تو شوہر کو منع کرنے کا اختیار ہے۔ (جوہرہ)

مسئلہ: محرم کے ساتھ جائے تو اس کا نفقہ عورت کے ذمہ ہے، لہٰذا اب یہ شرط ہے کہ اپنے اور اُس کے دونوں کے نفقہ پر قادر ہو۔ (در مختار، ردالمحتار)

(3) جانے کے زمانے میں **عورت عدّت میں نہ ہو،** وہ عدّت وفات کی ہو یا طلاق کی، بائن کی ہو یا رجعی کی۔

(4) قید میں نہ ہو، مگر جب کسی حق کی وجہ سے قید میں ہو اور اُس کے ادا کرنے پر قادر ہو تو یہ عذر نہیں۔

اور بادشاہ اگر حج کے جانے سے روکتا ہو تو یہ عذر ہے۔

-در مختار، ردالمحتار۔ (بہار شریعت، حصہ: 6، حج کا بیان، ص: 1043، 1044، 1045، 1046)

بادشاہ کا حج کو جانے سے روکنا حج کی اجازت نہ دینا ہے اور حج کا ویزا مل جائے تو روکنا نہیں پایا جائے گا۔ اسی لیے ہم کہتے ہی کہ حج کا ویزا وجوب ادا کی شرط ہے اصل وجوب کی نہیں۔ میرا موقف وہی ہے جو بہار شریعت میں ہے۔

مختصر یہ کہ شوال میں عمرہ کرنے والے پر وجوب ادا کی کچھ شرطیں پائی جارہی ہیں۔ مثلاً راستہ پُر امن ہونا، قید میں نہ ہونا اور بعض شرطیں نہیں پائی جارہی ہیں یعنی حج کا ویزا ملنا۔ اس لیے اس پر حج تو فرض ہے مگر فی الحال واجب الادا نہیں ہے۔

معتمر زمانۂ حج تک نہ ٹھہر سکے تو کیا کرے؟

سوال: حج کا زمانہ ۸/ ذی الحجہ سے ۱۲/ ذی الحجہ تک ہے جو ابھی دو ماہ بعد آئے گا۔

اب وہ زمانۂ حج تک رک نہیں سکتا کہ عموماً عمرہ کرنے والوں کے پاس اپنے لیے اور اپنے اہل و عیال کے لیے اتنے زمانے تک کے نفقہ وغیرہ کا انتظام نہیں ہوتا۔

جواب: یہ حق ہے کہ زمانۂ حج دو ماہ بعد آئے گا اور اتنے عرصے تک کا نفقہ وغیرہ اس کے بس سے باہر ہو سکتا ہے مگر یہ زمانۂ حج، حج فرض ہونے کی شرط نہیں بلکہ یہ حج کی ادا صحیح ہونے کی شرط ہے اور بات صرف حج فرض ہونے کی ہے، صحت ادا کی نہیں، اور نہ ہی وجوب ادا کی۔ بہار شریعت اور دوسری کتبِ فقہ کا یہ بیان ٹھنڈے دل سے پڑھیے اور سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

صحت ادا کے شرائط

صحت ادا کے لیے نو شرطیں ہیں کہ وہ نہ پائی جائیں تو حج صحیح نہیں:

(1) اسلام، کافر نے حج کیا تو نہ ہوا۔

(2) احرام، بغیر احرام حج نہیں ہو سکتا۔

(3) زمان یعنی حج کے لیے جو زمانہ مقرر ہے اُس سے قبل افعالِ حج نہیں ہوسکتے، مثلاً طوافِ قدوم وسعی کہ حج کے مہینوں سے قبل نہیں ہوسکتے اور وقوفِ عرفہ نویں (ذی الحجہ) کے زوال سے قبل یا دسویں کی صبح ہونے کے بعد نہیں ہوسکتا اور طواف زیارت دسویں سے قبل نہیں ہوسکتا۔

(4) مکان: طواف کی جگہ مسجد الحرام شریف ہے اور وقوف کے لیے عرفات و مُزدلفہ، کنکری مارنے کے لیے منیٰ، قربانی کے لیے حرم، یعنی جس فعل کے لیے جو جگہ مقرر ہے وہ وہیں ہوگا۔

(5) تمیز۔ (باشعور ہونا)

(6) عقل، جس میں تمیز نہ ہو جیسے ناسمجھ بچہ یا جس میں عقل نہ ہو جیسے مجنون۔ یہ خود وہ افعال نہیں کر سکتے جن میں نیت کی ضرورت ہے، مثلاً احرام یا طواف، بلکہ ان کی طرف سے کوئی اور کرے اور جس فعل میں نیت شرط نہیں، جیسے وقوفِ عرفہ وہ یہ خود کر سکتے ہیں۔

(7) فرائضِ حج کا بجالانا مگر جب کہ عذر ہو۔

(8) احرام کے بعد اور وقوف سے پہلے جماع نہ ہونا۔ اگر ہو گا حج باطل ہو جائے گا۔

(باقی ص: 35 پر)

درس وتدریس

تفسیر جلالین کیسے پڑھائیں؟

بقلم: مفتی فیضان سرور مصباحی

> **جلالین شریف کا درس تو بہت دلچسپ اور کامیاب ہو سکتا ہے۔ جلالین شریف میں تفسیر کا کوئی نقطہ زائد نہیں ہے۔ ہر لفظ بقدر حاجت لایا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی اس لفظ کے ذریعہ تفسیر کی کوئی نہ کوئی وجہِ تفسیر بھی ہے۔ آپ وجہِ تفسیر بتانے کا التزام کریں۔ درس مقبول ہوگا۔ [شیخ القرآن علامہ عبداللہ خاں عزیزی]**

امام جلال الدین محلی شافعی مصری علیہ الرحمہ (791ھ-864ھ) نے نہایت اختصار کے ساتھ قرآن کریم کی تفسیر لکھنا شروع کی، ابھی سورۂ کہف سے لے کر سورۂ ناس، مع سورۂ فاتحہ تک لکھ پائے تھے کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

امام جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی شافعی علیہ الرحمہ نے اس تفسیر سے متعلق شائقین کی حاجت اور شدید تقاضے کے پیش نظر ے ر سال بعد اسی انداز میں باقی حصوں کی تفسیر پر کام شروع کیا۔ محض چالیس دن میں، بلکہ اس سے بھی کچھ کم ایام میں نصف قرآن پاک {سورۂ بقرہ سے سورۂ اسراء تک} کی تفسیر لکھ کر امام محلی کے اس کام کی تکمیل فرمائی۔ اس وقت امام سیوطی کی عمر 22 سال بھی نہ ہوئی تھی، بلکہ پورے بائیس سال ہونے میں ابھی چند مہینے باقی تھے۔

چوں کہ دونوں مفسرین کے نام میں "جلال الدین (محلی و سیوطی)" آتا ہے، اس لیے یہ "تفسیر الجلالین" کے نام سے مشہور ہوا۔

اس تفسیر میں انتہائی مختصر انداز میں راجح ترین تفسیری اقوال ذِکر کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اور صرف ضروری مقامات پر بہت ہی نپے تلے انداز میں مختصراً وضاحت کی گئی ہے، یہ منہج پہلے تو علامہ محلی نے اختیار کیا تھا، مگر جب اس کا تتمہ لکھنے کی بارے آئی تو علامہ سیوطی نے بھی اسی روش پر لکھنے کا اہتمام کیا، علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

«تعبير وجيز، وترك التطويل بذكر أقوال غير مرضية، وأعاريب محلها كتب العربية.»

یعنی: یہ تفسیر مختصر عبارت پر مشتمل ہے، اور ناپسندیدہ اقوال، و ترکیب نحوی جن کا محل عربی زبان کی کتابیں ہیں، کا ذکر کر کے بات لمبی نہیں کی گئی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے موقف کی تائید میں جلالین شریف سے کثرت سے استدلال کیا ہے، اور معتمد تفسیرات میں اس کا شمار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اور یہ دونوں حضرات اصح الاقوال لیتے ہیں۔ خطبۂ جلالین میں ہے:

هذا تكملة و تفسير القراٰن الكريم الذى الفه الامام جلال الدين المحلى على نمطه من الاعتماد على ارجح الأول. (فتاویٰ رضویہ، ج: 22، ص: 103)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

مطلبِ اَصح جس کے مطالعہ کو جلالین ــ کہ اَصَحُّ الْاَقوال پر اِقْتِصار کا جن کو اِلْتِزام ہے ــ سرِ دَسْت بس ہے، ہاتھ سے نہ جائے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج26، ص457)

امام سیوطی نے اس تفسیر کے شروع میں جو مختصر خطبہ لکھا ہے اس میں درج باتوں سے انداز تفسیر اور منہجِ تفسیرِ جلالین پر روشنی پڑتی ہے۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

✿ {أما بعد! فهذا ما اشتدت إليه ...

[دار القضاء ادارۂ شرعیہ اورنگ آباد۔ بہار]

الإسراء} حمد اور صلوۃ وسلام کے بعد! (عرض ہے کہ:)

یہ وہ کام ہے کہ جس کی طرف دلچسپی رکھنے والوں کی حاجت شدید ہوگئی، یعنی: قرآن کریم کی اس تفسیر کا تکملہ لکھنے کے سلسلے میں، اور چھوٹے ہوئے ان اجزا کو پورا کرنے کے سلسلے میں جو سورۂ بقرہ سے سورۂ اِسراء تک ہیں ؛ اور جس تفسیر کو امام، علامہ، محقق، مدقق جلال الدین محمد بن احمد محلی الشافعی نے تالیف کرنا شروع کیا تھا۔

✿ {بتتمة على نمطه... كتب العربية} یہ تتمہ (پورا کرنا) علامہ محلی ہی کے انداز پر ہو، یعنی:

(1) اس میں ایسی چیزوں کا ذکر ہو جن سے کلام الٰہی سمجھنے میں مدد ملے۔

(2) تمام اقوال میں سب سے زیادہ راجح قول پر اعتماد کیا گیا ہو۔

(3) بقدر حاجت اعراب بیانی (ترکیب نحوی) کا اہتمام ہو۔

(4) اور مختلف و مشہور قراءات پر لطیف انداز بیان اور مختصر عبارت کے ذریعے تنبیہ کی گئی ہو۔

(5) ناپسندیدہ اقوال اور غیر ضروری اعراب کو ذکر کر کے۔ جن کا اصلی محل علوم عربیہ کی کتابیں ہیں۔ کلام کو طول نہ دیا گیا ہو۔

(خطبۂ تفسیر جلالین، ص:1، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

تفسیر جلالین کو بے وضو چھونے کے سلسلے میں حنفی موقف؟

شیخ مصطفیٰ بن عبد اللہ کاتب چلپی "حاجی خلیفہ" نے بعض علماے یمن کا ایک قول نقل کیا ہے، جو اس تفسیر کے اختصار سے متعلق ایک لطیف بات پر مشتمل ہے، وہ لکھتے ہیں:

قال بعض علماء اليمن: عددت حروف القرآن وتفسيره للجلالين، فوجدتهما متساويين إلى سورة المزمل، ومن سورة المدثر التفسير زائد على القرآن، فعلى هذا يجوز حمله بغير الوضوء. انتهى.

(كشف الظنون عن اسامى الكتب والفنون، ج 1، ص: 445، دار احياء التراث العربي بيروت)

بعض علماے یمن نے کہا کہ میں نے قرآن کریم کے حروف اور تفسیر جلالین کے حروف کو شمار کیا تو دونوں کو سورۂ مزمل تک برابر پایا۔ ہاں! سورۂ مدثر سے جو تفسیر ہے ان میں تفسیری حروف کی تعداد قرآن مجید کے حروف سے زائد ہیں۔ تو اس بنیاد پر اس کو بلا وضو اٹھانے کی اجازت ہوگی۔

حاجی خلیفہ کی مذکورہ بالا عبارت میں ضمناً ایک حکم شرعی کا بھی بیان آ گیا ہے، جس کو دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ تفسیر جلالین کو بلا وضو چھونے میں کوئی حرج نہیں۔ حتیٰ کہ بعض اردو فتاویٰ میں بھی یہی حکم دیکھنے کو ملا۔ جب کہ یہ فقہ حنفی کے اعتبار سے علی الاطلاق درست نہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جلالین شریف کے لکھنے والے دونوں جلال الدین (محلی ہوں کہ سیوطی) شافعی ہیں، لہٰذا حاجی خلیفہ کا اقتباس انھیں کے فقہ، فقہِ شافعی کی روشنی میں دیکھا جانا چاہیے۔

شوافع کا قول یہ ہے کہ اگر تفسیری حروف زیادہ ہوں، تو ایسے تفسیر بلا وضو چھونے میں حرج نہیں۔ اس قول کے مطابق جب سورۂ مزمل تک قرآنی حروف اور تفسیری حروف برابر کی تعداد میں ہیں، اور سورۂ مدثر کے بعد تفسیری کلمات زائد ہیں، تو اس اعتبار سے تفسیری کلمات زائد ہوئے، لہٰذا فقہ شافعی کے مطابق تفسیر جلالین کو بلا وضو چھونے کی اجازت ہوگی۔ جب کہ خاص حروف قرآنیہ کو چھونے سے بچے۔

موسوعۂ فقہیہ کویتیہ میں ہے:

وَقَالَ الشَّافِعِيَّةُ: بِحُرْمَةِ حَمْلِ التَّفْسِيرِ وَمَسِّهِ إِذَا كَانَ الْقُرْآنُ أَكْثَرَ مِنَ التَّفْسِيرِ، وَكَذَلِكَ إِنْ تَسَاوَيَا عَلَى الأَصَحِّ، وَيَحِلُّ مَسُّهُ إِذَا كَانَ التَّفْسِيرُ أَكْثَرَ عَلَى الأَصَحِّ.

وَقَالَ النَّوَوِيُّ: إِنْ كَانَ التَّفْسِيرُ أَكْثَرَ فَفِيهِ أَوْجُهٌ أَصَحُّهَا لاَ يَحْرُمُ، لأَنَّهُ لَيْسَ بِمُصْحَفٍ.

[الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، 280/38- بحوالہ: روضۃ الطالبین 1/ 80، ونہایۃ المحتاج 1/125-126]

شوافع کا کہنا ہے کہ بے وضو شخص کا تفسیر اٹھانا اور چھونا حرام ہے، جب کہ قرآن کے حروف تفسیر کے حروف سے زائد ہوں۔ اسی طرح اگر دونوں برابر برابر ہوں تو— اصح قول کے مطابق — یہی حکم ہوگا۔ ہاں اگر تفسیر کے حروف زیادہ ہوں، تو بے وضو کے لیے ایسی تفسیر چھونا جائز ہے۔

... امام نووی شافعی نے لکھا: اگر تفسیر کا حصہ زیادہ ہے تو بے وضوا سے چھوئے یا نہیں، اس میں متعدّد اقوال ہیں، اصح یہ ہے کہ چھونا حرام نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ مصحف نہیں ہے۔

فقہ حنفی میں قول راجح یہ ہے کہ بے وضو شخص کے لیے تفسیر و حدیث اور فقہ کی کتابوں کو براہ راست چھونا مکروہ ہے۔ اس میں تفسیر کے کم و بیش ہونے کا فرق نہیں۔ نہ چھونے کے مسئلے میں تفسیر و دیگر کتب دینیہ میں کوئی فرق ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ التَّفْسِيرِ وَغَيْرِهِ مِنْ الْكُتُبِ الشَّرْعِيَّةِ عَلَى الْقَوْلِ بِالْكَرَاهَةِ وَعَدَمِهِ، وَلِهَذَا قَالَ فِي النَّهْرِ: وَلَا يَخْفَى أَنَّ مُقْتَضَى مَا فِي الْخُلَاصَةِ عَدَمُ الْكَرَاهَةِ مُطْلَقًا؛ لِأَنَّ مَنْ أَثْبَتَهَا حَتَّى فِي التَّفْسِيرِ نَظَرَ إلَى مَا فِيهَا مِنْ الْآيَاتِ، وَمَنْ نَفَاهَا نَظَرَ إلَى أَنَّ الْأَكْثَرَ لَيْسَ كَذَلِكَ، وَهَذَا يَعُمُّ التَّفْسِيرَ أَيْضًا، إلَّا أَنْ يُقَالَ إنَّ الْقُرْآنَ فِيهِ أَكْثَرُ مِنْ غَيْرِهِ اهـ

وَقَدْ جَوَّزَ أَصْحَابُنَا مَسَّ كُتُبِ التَّفْسِيرِ لِلْمُحْدِثِ، وَلَمْ يَفْصِلُوا بَيْنَ كَوْنِ الْأَكْثَرِ تَفْسِيرًا أَوْ قُرْآنًا، وَلَوْ قِيلَ بِهِ اعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ لَكَانَ حَسَنًا قُلْت: لَكِنَّهُ يُخَالِفُ مَا مَرَّ فَتَدَبَّرْ.

حاصلِ کلام یہ ہے کہ تفسیر اور اس کے علاوہ دیگر شرعی کتابوں کے درمیان — کراہت اور عدمِ کراہت کا قول کرنے کے بارے میں — کوئی فرق نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ”نہر الفائق“ میں کہا: مخفی نہ رہے کہ ”خلاصۃ الفتاویٰ“ کا تقاضا یہ ہے کہ مطلقاً غیر مکروہ ہو۔ کیوں کہ جس نے مکروہ ہونا ثابت کیا ہے — حتیٰ کہ تفسیر میں بھی — وہ ان آیاتِ قرآنی کی طرف نظر کرتے ہوئے، جو ان کتب میں موجود ہیں۔ اور جس نے مکروہ ہونے کی نفی کی ہے، ان کی نظر اس پر ہے کہ ان شرعی کتابوں میں زیادہ تر کلمات غیر قرآن کے ہیں۔ اور یہ بات تفسیر کو بھی عام ہے۔ ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسری دینی کتابوں کی بنسبت تفسیر میں قرآنی کلمات زیادہ ہوتے ہیں۔

ہمارے حنفی اصحاب نے بے وضو شخص کے لیے تفسیر کی کتابیں چھونا جائز قرار دیا ہے۔ اور اس کی کوئی تفصیل نہیں کی ہے کہ کلمات قرآن اکثر ہوں، یا کلماتِ تفسیر۔ اگر کہا جائے کہ غالب و اکثریت کا اعتبار کرتے ہوئے، حکم دیتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔ تو اس پر میں کہوں گا کہ یہ بات گزشتہ توجیہات کے برخلاف ہوگی۔ فَتَدَبَّرْ.

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

مسئلہ ۳۹: ان سب کو فقہ و تفسیر و حدیث کی کتابوں کا چھونا مکروہ ہے۔ اور اگر ان کو کسی کپڑے سے چھُوا اگرچہ اس کو پہنے یا اوڑھے ہوئے ہو تو حرج نہیں، مگر موضَعِ آیت پر ان کتابوں میں بھی ہاتھ رکھنا حرام ہے۔ (بہار شریعت: دوم، ص: 330، مکتبۃ المدینہ دہلی)

موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے:

اخْتَلَفَ الْفُقَهَاءُ فِي مَسِّ الْمُحْدِثِ كُتُبَ التَّفْسِيرِ: قَال الْحَنَفِيَّةُ: لاَ يَجُوزُ مَسُّ كُتُبِ التَّفْسِيرِ لأَِنَّهُ يَصِيرُ بِمَسِّهِ مَاسًّا لِلْقُرْآنِ، وَقَال فِي الْفَتَاوَى الْهِنْدِيَّةِ: وَيُكْرَهُ مَسُّ كُتُبِ التَّفْسِيرِ وَالْفِقْهِ وَالسُّنَّةِ وَلاَ بَأْسَ بِمَسِّهَا بِالْكُمِّ۔ [الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، 280/38- بحوالہ: بدائع الصنائع 33/1، والفتاوی الہندیۃ 39/1]

بے وضو شخص کو کتبِ تفسیر چھونا جائز ہے یا نہیں، اس میں فقہا کا اختلاف ہے۔ حضرات حنفیہ نے کہا کہ تفسیری کتابوں کو چھونا جائز نہیں ہے۔ اس لیے تفسیر کو چھونے والا، قرآن چھونے

والا ہوتا ہے۔"فتاویٰ ہندیہ" میں ہے:

تفسیر، فقہ اور سنت کی کتابوں کا چھونا مکروہ ہے، ہاں! انھیں آستین سے چھونے میں حرج نہیں۔

تنبیہ: یہ بات مبتدیوں کے لیے وجہِ خلجان ہوسکتی ہے کہ موسوعۂ فقہیہ کویتیہ کی عبارت میں "لا یجوز" ہے، اور دلیل میں جو فتاویٰ ہندیہ کی عبارت ذکر کی گئی ہے، اس میں "یُکرہ" لکھا ہوا ہے۔ تو حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے، یا مکروہ، آخر کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں میں کوئی منافات نہیں، فتاویٰ کی بعض کتابوں میں ہے کہ بے وضو کو تفسیر چھونا ناجائز ہے، اور کہیں ہے کہ مکروہ ہے۔ تو جان لیجیے کہ دونوں ایک ہی چیز ہے،؛ کیوں کہ یہاں مکروہ سے مراد "مکروہ تحریمی" ہے، اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب ناجائز ہوتا ہے۔

علامہ زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم مصری حنفی (م: 970ھ) لکھتے ہیں:

وفِي فَتْحِ القَدِيرِ: والمُرادُ بالكَراهَةِ كَراهَةُ التَّحْرِيمِ؛ ولِهَذا عَبَّرَ بنَفْيِ الجَوازِ فِي الفتاوى.
[البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۱/۲۱۲، کتاب الطهارة، باب الحیض]

"فتح القدیر" میں ہے کہ یہاں کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے۔ اسی لیے فتاویٰ میں عدم جواز کی عبارت آئی ہے۔

✿ ترجمۂ قرآن کو پڑھنے وچھونے کا حکم بھی قرآن ہی کی طرح ہے۔ لہٰذا جنبی، حائضہ اور نفاس والی کو اس حالت میں قرآن کا ترجمہ—خواہ کسی بھی زبان میں ہو—پڑھنا چھونا حرام ہے، اور بے وضو شخص کے لیے مکروہ تحریمی ہے۔

ولَوْ كانَ القُرْآنُ مَكْتُوبًا بِالفارِسِيَّةِ يُكْرَهُ لَهُمْ مَسُّهُ عِنْدَ أبِي حَنِيفَةَ وكَذا عِنْدَهُما عَلى الصَّحِيحِ هَكَذا فِي الخُلاصَةِ. [الفتاوی الهندیة 39/1، کتاب الطهارة، الباب السادس، الفصل الرابع فی أحكام الحیض—الخ]

یعنی: اگر قرآن پاک فارسی زبان میں لکھا ہو تو—امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک—اسے چھونا مکروہ تحریمی ہے۔ صحیح قول کے مطابق یہی حکم صاحبین کا بھی ہے۔

بہار شریعت میں ہے:

"مسئلہ ۳۷: قرآن کا ترجمہ فارسی یا اردو یا کسی اور زبان میں ہو اس کے بھی چھونے اور پڑھنے میں قرآنِ مجید ہی کا سا حکم ہے۔" (بہار شریعت ح: دوم، ص: 330، مکتبۃ المدینہ دہلی)

لہٰذا تفسیر جلالین کی گھنٹی میں طلبہ کو اس حنفی موقف سے مطلع کر کے باوضو بیٹھنے کی تاکید کی جانی چاہیے۔

تدریس کی تیاری:

جلالین شریف کو دیکھنے والے اگر سرسری نظر سے دیکھتے ہیں، تو بس مترادف الفاظ اور اختلافات قراءت پر مشتمل مختصر تفسیر سمجھ میں آتی ہے، جب کہ باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو اس نتیجے پر پہنچا جاسکتا ہے کہ تفسیر کے لیے ضروری فنون میں سے تقریباً تمام فنون سے متعلق قیمتی اشارے موجود ہوتے ہیں۔ اسی لیے مدرس جس قدر ماہر فنون ہوگا، اس کی تدریس اتنی ہی شاندار ہوگی۔

بحمدہ تعالیٰ مجھے تین سال [۲۰۲۰ء—۲۰۲۲ء] تک جلالین شریف کی تدریس کے بہانے اس سے فیض یابی کی توفیق ملی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ:

● تفسیر جلالین بلکہ کوئی بھی تفسیر پڑھانے سے قبل "اصول تفسیر" پیش نظر ہونے چاہئیں، اس موضوع پر یوں تو بہت سی کتابیں دستیاب ہیں، مگر بقدرِ کفایت معلومات کے لیے "الفوز الكبير في أصولِ التفسير" اور اتقان سیوطی کی تلخیص "زبدة الاتقان" کا مطالعہ بہت ہے۔ اصولِ تفسیر کی روشنی میں جب تدریس ہوگی تو پھر طلبہ کو بھی مزہ آئے گا، مدرس کو بھی کلمات کی تراکیب اور پس منظر کے تفہیم میں آسانی ہوگی۔

● علوم عربیہ میں سے لغت، علم نحو وصرف اور علم معانی و بدیع کی بحثیں ازبر ہونی چاہئیں۔ اسی طرح ترکیب نحوی اور اعلال صرفی پر توجہ کے بغیر اس کی کامیاب تدریس بہت مشکل ہے۔

(جاری)

فکرِ امروز

مغربی تہذیب

ایک موثر قدم یا اخلاقی زوال

مولانا محمد آصف جمال مصباحی

تہذیبوں کا ٹکراؤ: ایک تاریخی اور فکری جائزہ:

انسانی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ہر دور میں ایک تہذیب کا عروج ہوتا ہے اور وہ دوسری تہذیبوں کو متاثر کرتی ہے۔ کبھی یہ اثر مثبت ہوتا ہے، جو ترقی، فکری وسعت اور نئی ایجادات کا سبب بنتا ہے، اور کبھی یہ اثرات منفی ہوتے ہیں، جو اخلاقی انحطاط، فکری انتشار اور روحانی زوال کا پیش خیمہ بنتے ہیں۔

آج کے دور میں مغربی تہذیب کا غلبہ مسلم معاشروں سمیت دنیا کے ہر خطے میں بڑھ رہا ہے۔ مغربی دنیا نے سائنسی ترقی، ٹیکنالوجی، تعلیم، اور معیشت میں غیر معمولی کامیابیاں حاصل کی ہیں، جس کے باعث بہت سے لوگ مغربی تہذیب کو ترقی کا ماڈل سمجھنے لگے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ، مغربی معاشرتی اقدار اور طرزِ زندگی نے اخلاقی و دینی انحطاط کو بھی جنم دیا ہے، جس کے اثرات مسلم نوجوانوں پر نمایاں ہو رہے ہیں۔

یہ مضمون اسی سوال کا تفصیلی جائزہ لے گا کہ آیا مغربی تہذیب واقعی ایک موثر قدم ہے یا پھر مسلم معاشروں کے لیے ایک خطرناک اخلاقی زوال؟ ہم مغربی تہذیب کے دونوں پہلوؤں پر غور کریں گے اور اس کے اثرات کا اسلامی نقطۂ نظر سے تجزیہ کریں گے۔

مغربی تہذیب اور اس کا عالمی نفوذ:

مغربی تہذیب کا سب سے بڑا اثر اس کے عالمی سطح پر پھیلاؤ میں مضمر ہے۔ میڈیا، انٹرنیٹ، عالمی معیشت اور تعلیمی اداروں کے ذریعے مغربی ثقافت دنیا بھر میں پھیل چکی ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ فیشن، تفریح، رہن سہن اور طرزِ فکر کے اعتبار سے مغربی دنیا ہی معیار بن چکی ہے۔ مسلم نوجوان بھی اس تہذیب سے متاثر ہو رہے ہیں، اور ان میں ایک ایسا رجحان پیدا ہو چکا ہے کہ وہ مغربی لباس، زبان اور اندازِ زندگی کو ترقی اور جدت کی علامت سمجھنے لگے ہیں۔ لیکن کیا واقعی مغربی طرزِ زندگی ہماری اقدار اور ثقافتی شناخت کے لیے مفید ہے؟ کیا اس تہذیب کے تمام پہلو قابلِ تقلید ہیں؟

مغربی تہذیب کے فوائد:

یہ حقیقت ہے کہ مغربی تہذیب نے کچھ ایسے پہلو متعارف کرائے ہیں جو قابلِ تعریف ہیں۔ ہم ان سے آنکھیں نہیں چرا سکتے، بلکہ حقیقت پسندی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ان مثبت پہلوؤں کو اپنائیں اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوں۔

(1)- سائنسی ترقی: مغربی دنیا نے سائنسی میدان میں حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ طب، فزکس، کیمیا، کمپیوٹر سائنس، اور دیگر سائنسی شعبوں میں مغربی اقوام نے ایسے کارنامے انجام دیے ہیں جنہوں نے انسانی زندگی کو آسان بنایا ہے۔

(2)- تعلیمی معیار: مغربی تعلیمی ادارے جدید علوم و فنون کے مراکز بن چکے ہیں۔ آکسفورڈ، کیمبرج، ہارورڈ، ایم آئی ٹی، اور دیگر معروف یونیورسٹیاں تحقیق اور علم کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کر رہی ہیں۔ مسلم نوجوان بھی ان اداروں سے علم حاصل کر کے دنیا میں نمایاں مقام حاصل کر رہے ہیں۔

(3)- قانون اور انسانی حقوق: مغربی ممالک میں قانون کی بالادستی اور انسانی حقوق کے شعور کو فروغ دیا گیا ہے۔ عدالتی نظام میں عمومی طور پر انصاف کے اصولوں کو اپنایا جاتا ہے، جو ایک مستحکم معاشرتی نظام کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

مغربی تہذیب کے نقصانات:

جہاں مغربی تہذیب نے کچھ مثبت پہلو دیے ہیں، وہیں اس کے کچھ خطرناک نقصانات بھی سامنے آئے ہیں جو مسلم

استاذ الجامعۃ السنیۃ گلشن آمنہ للبنات قمر کالونی گلبرگہ شریف

معاشروں میں فکری و اخلاقی زوال کا سبب بن رہے ہیں۔

(1)-اخلاقی انحطاط: مغربی ثقافت میں بے حیائی اور فحاشی کو عام کر دیا گیا ہے۔ فلموں، سوشل میڈیا، اور انٹرٹینمنٹ انڈسٹری کے ذریعے اخلاقی اقدار کو پامال کیا جا رہا ہے۔ آزاد خیالی کے نام پر حیا و عفت کو فرسودہ قرار دیا جاتا ہے، جس کے باعث مسلم نوجوان بھی اس فتنے کا شکار ہو رہے ہیں۔

(2)-دین سے دوری مغربی معاشرت میں مادہ پرستی اور الحاد(Atheism) کا رجحان زیادہ ہے۔ وہاں کے لوگ روحانی سکون سے محروم ہو چکے ہیں، اور یہی اثرات مسلم نوجوانوں میں بھی سرایت کر رہے ہیں۔ دین کے احکامات کو دقیانوسی سمجھا جا رہا ہے اور دنیاوی ترقی کو ہی سب کچھ سمجھا جا رہا ہے۔

(3)- ثقافتی شناخت کا خاتمہ: مسلم نوجوان مغربی لباس، زبان اور طرزِ زندگی کو اختیار کر رہے ہیں، جس سے ان کی اسلامی شناخت ختم ہو رہی ہے۔ اگر یہ رجحان جاری رہا تو آئندہ نسلیں اپنی دینی اور ثقافتی بنیادوں سے بالکل محروم ہو جائیں گی۔

لباس اور اسلامی شناخت: ایک نازک مسئلہ:

اسلامی لباس صرف ایک رسم نہیں بلکہ ایک دینی علامت بھی ہے۔ لباس کا مقصد بلا شبہ ستر پوشی اور زینت ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تشخص کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کسی آزمائش کے سبب اسلامی لباس ترک کر دینا چاہیے، تو یہ سوچ نہ صرف کمزور ایمان کی علامت ہے بلکہ اس کے خطرناک نتائج بھی ہو سکتے ہیں۔ مولانا حبیب اللہ ازہری صاحب استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی یہ رائے کہ:

"سفر میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ لباس میں تبدیلی لائی جائے، بطورِ خاص جس زمانے اور علاقے میں کرتا ٹوپی دیکھ کر نشانہ بنایا جاتا ہو، اس میں لباس پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔"

بظاہر ایک ظاہری مصلحت پر مبنی ہے، لیکن اس کے اثرات دور رس ہیں۔ اگر آج ہم نے خوف اور آزمائش کے سبب اپنی ظاہری شناخت ترک کر دی، تو کل کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ داڑھی بھی نہ رکھی جائے تاکہ کسی قسم کی پریشانی نہ ہو! ہم اس رائے سے اتفاق نہیں رکھتے۔

اسلامی نقطۂ نظر: توازن کا اصول:

اسلام نے ہمیں اعتدال اور توازن کا درس دیا ہے۔ قرآن و حدیث میں واضح طور پر یہ ہدایت دی گئی ہے کہ کسی بھی تہذیب کے اچھے پہلو اپنانے چاہئیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ دینی و ثقافتی شناخت کی حفاظت بھی ضروری ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ"

(ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے)۔(آل عمران:185)

یہ حقیقت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ دنیا فانی ہے، اور اصل زندگی آخرت کی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دنیاوی ترقی کے ساتھ اپنی آخرت کی فکر بھی کریں اور اسلامی تعلیمات کو نظر انداز نہ کریں۔

توازن قائم کرنا ضروری ہے:

یہ کہنا درست ہوگا کہ مغربی تہذیب کے کچھ پہلو ترقی کے لیے مفید ہو سکتے ہیں، لیکن اس کی اندھی تقلید انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اسلامی اصولوں کو مضبوطی سے تھامے رکھیں، دین و دنیا میں توازن قائم کریں، اور اپنی ثقافتی و دینی شناخت کو محفوظ رکھیں۔ اگر ہم نے آج اپنی اقدار کا تحفظ نہ کیا تو ہماری آئندہ نسلیں اپنی اسلامی شناخت کھو بیٹھیں گی، جو کسی بھی صورت میں مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول نہیں ہونا چاہیے۔

ہمارا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟

(1) دینی تعلیمات پر مضبوطی سے عمل کریں۔ (2) مسلم نوجوانوں کو اسلامی ثقافت اور لباس سے جوڑنے کی کوشش کریں، تاکہ وہ کسی دباؤ میں آکر اپنی شناخت ترک نہ کریں۔ (3) دینی مدارس اور اداروں کے خلاف ہونے والی کسی بھی ناانصافی پر متحد ہو کر آواز بلند کریں۔ (4) قانونی اور جمہوری ذرائع کا استعمال کریں تاکہ اسلامی شعائر اور ثقافتی اقدار کا تحفظ کیا جا سکے۔

شناخت پر قائم رہنا ہی اصل کامیابی ہے:

ہمیں اپنی اسلامی شناخت پر فخر ہونا چاہیے، نہ کہ خوف! ہمیں مغربی تہذیب کے مثبت پہلو اپنانے چاہئیں، لیکن اپنی اسلامی اقدار کو ہرگز ترک نہیں کرنا چاہیے۔ یہی ایک حقیقی مسلمان کا شیوہ ہے، اور اسی میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ ■■■

شعاعیں

بہتان کی مذمت

محمد کامران رضا گجراتی

ہمارے معاشرے میں متعدّد سماجی واخلاقی، برائیاں پھیل رہی ہیں، جن میں ایک بڑی برائی بہتان تراشی ہے۔ کسی مسلمان کا برائیوں اور گناہوں میں مبتلا ہونا بلاشبہ بُرا ہے لیکن اس سے زیادہ برا کسی پر گناہوں کا جھوٹا الزام لگانا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں ہم اس فعل کی قباحت کو قرآن واحادیث کی روشنی میں بیان کریں گے۔ تاکہ نصیحت قبول کرنے والے افراد اس کی قباحت جاننے کے بعد اس فعل سے باز آجائیں۔ پہلے تو ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بہتان کہتے کس کو ہیں۔ اس لیے ہم آپ کے سامنے بہتان کی تعریف پیش کرتے ہے۔

بہتان:

کسی شخص کی موجودگی یا غیر موجودگی میں اس پر جھوٹ باندھنا بہتان کہلاتا ہے۔(الحدیقۃ الندیۃ، 200/2)

اس کو آسان لفظوں میں یوں سمجھیے کہ برائی نہ ہونے کے باوجود اگر پیٹھ پیچھے (غیر موجودگی) یا روبرو (سامنے) وہ برائی اس کی طرف منسوب کردی تو یہ بہتان ہوئی۔ مثلاً پیٹھ پیچھے یا منہ پر کسی کو چور کہہ دیا حالاں کہ اس نے کوئی چوری نہیں کی تو اس کو چور کہنا بہتان ہوا۔

بہتان کا حکم:

بہتان تراشی حرام وگناہ کبیرہ ہے۔

صدر الشریعہ، حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”بہتان کی صورت میں توبہ کرنا اور معافی مانگنا ضروری ہے بلکہ جن کے سامنے بہتان باندھا ہے۔ ان کے پاس جاکر یہ کہنا ضروری ہے کہ میں نے جھوٹ کہا تھا جو فلاں پر میں نے بہتان باندھا تھا۔“ (بہار شریعت، 181/3)

اللہ تعالی بہتان تراشی کے متعلق قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ (پ14، النحل آیات 105)

ترجمہ: جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی جھوٹے ہیں۔

اس آیت کے تحت مفتی قاسم عطاری صاحب صراط الجنان پارہ 14۔ سورۃ النحل آیت نمبر 105 میں فرماتے ہیں:

آیت کا خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جھوٹ بولنا اور بہتان باندھنا بے ایمانوں ہی کا کام ہے۔

حدیث (1)—سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی مسلمان کی برائی بیان کرے جو اس میں نہیں پائی جاتی تو اس کو اللہ پاک اس وقت تک دوزخیوں کے کیچڑ، پیپ اور خون میں رکھے گا جب تک کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات سے نکل آئے۔ (اس سے مراد یہ ہے کہ طویل عرصے تک وہ عذاب میں مبتلا رہے گا)۔ (سنن ابوداؤد، 427/3، حدیث: 3597)

حدیث (2)—امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کسی بے قصور پر بہتان لگانا یہ آسمانوں سے بھی زیادہ بھاری گناہ ہے۔ (کنز العمال، کتاب الاخلاق، باب البہتان، 322/3، حدیث: 8806)

متعلم جامعۃ المدینہ احمدآباد گجرات kamranattari78692@gmail.com

حدیث (3)-نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا سو سال کی نیکیوں کو برباد کرتا ہے ۔(مجم کبیر،168/3، حدیث:3023)

فیض القدیر میں ہے یعنی اگر بالفرض وہ شخص سو سال تک عبادت کرے تو بھی یہ بہتان اس کے ان اعمال کو ضائع کر دے گا۔ (فیض القدیر،601/2، تحت الحدیث:2340)

حدیث نمبر(4)- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ہلاکت کی چیزوں سے بچو۔ لوگوں نے عرض کیا: حضور وہ کیا ہیں؟فرمایا(1)اللہ کے ساتھ شرک(2)جادو،(4)ناحق اس جان کو ہلاک کرنا جو اللہ نے حرام کی،(4)اور سود خوری (5) یتیم کا مال کھانا،(6) جہاد کے دن پیٹھ دکھادینا (7) پاک دامن بیبیوں کو بہتان لگانا۔ (مرآۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح ،جلد :6، حدیث:4828)

حدیث(5)- جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھے ہوئے کئی مناظر کا بیان فرما کر یہ بھی فرمایا کہ کچھ لوگوں کو زبانوں سے لٹکایا گیا تھا۔ میں نے جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام سے ان کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ لوگوں پر جھوٹی تہمت لگانے والے ہیں۔(شرح الصدور،ص182)

حدیث(6)-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے استفسار فرمایا: کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کی ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہوں نہ مال،ارشاد فرمایا:میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا لیکن اس نے فلاں کو گالی دی ہوگی اور فلاں پر تہمت لگائی ہوگی۔

(مسلم،ص1029، حدیث: 2581)

عورت پر تہمت لگانے کے سبب ہلاکت:

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ شرح الصدور میں نقل کرتے ہیں:ایک شخص نے خواب میں جریر خفی کو دیکھ کر پوچھا: ما فعل الله بك ؟ یعنی اللہ پاک نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو انھوں نے کہا: میری مغفرت کر دی۔ میں نے پوچھا مغفرت کا کیا سبب بنا؟ کہا: اس تکبیر کہنے پر جو میں نے ایک جنگل میں کہی تھی۔ میں نے پوچھا: فرزدق کا کیا ہوا؟ تو انھوں نے کہا: افسوس پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کے باعث وہ ہلاکت میں گرفتار ہوا۔

(شرح الصدور ص285،البدایہ والنہایہ409/6)

بہتان تراشی سے بچنے کے لیے:

بہتان اور اس کے علاوہ بہت سارے گناہ زیادہ تر زبان سے ہی ہوتے ہیں لہذا اسے قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے۔ 7 قرآن وحدیث میں ذکر کیے گئے بہتان کے ہول ناک عذابات کا مطالعہ کیجیے، اور اپنے نازک بدن پر غور کیجیے، کہ بہتان کے سبب اگر ان میں سے کوئی عذاب ہم پر مسلط کر دیا گیا تو ہمارا کیا بنے گا۔ اسلام اور مصافحہ کرنے کی عادت اپنائیے، ان شاء اللہ !اس کی برکت سے دل سے بغض و کینہ دور ہو گا۔ اور محبت بڑھے گی اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کا مرض بھی ختم ہو گا۔

پیارے بھائیو!کسی پر بہتان لگانا اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ملائکہ مقربین کی ناراضگی کا باعث ہے۔ بہتان تراشی سے ایک اچھا خاصہ بہترین معاشرہ فساد اور لڑائی میں مبتلا ہو کر رہ جاتا ہے،لوگوں پر بہتان لگانے والا سماج اور معاشرے میں ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے، یہ تو منافقین کا طریقہ ہے۔ ہمارے اس دنیا میں آنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کریں۔ اگر وہی ہم سے ناراض ہوں گے تو ہم کہاں جائیں گے؟اس لیے ہمیں چاہیے کہ جن کاموں کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ان کاموں پر دل وجان سے ایمان لائیں اور پیروی کریں۔اللہ پاک ہم سب کو بہتان جیسی بیماری سے محفوظ فرمائے آمین۔ ■■■

انوار حیات

پروفیسر فاروق احمد صدیقی کی شخصیت اور علمی وادبی خدمات

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی نبیہ الکریم وعلی الہ
واصحابہ اجمعین

پیکرِ علم ودانش، خوش اخلاق وخوش فکر اور ایک صحیح الاعتقاد شخصیت کا نام ہے علامہ ڈاکٹر پروفیسر فاروق احمد صدیقی جو شاعر بھی ہیں اور قلم کار بھی اور عصر حاضر میں دانشوری کی علامت بھی۔ میری ان سے بہت پرانی یاد وابستہ ہے۔ جب وہ مشہور صحافی عامر عثمانی ”مدیر تجلی“ سے ایک اعتقادی مسئلے کی بابت قلمی آویزش میں فتح ونصرت کے زاویے بنا رہے تھے اور میں دارالعلوم ضیاء الاسلام تکیہ پاڑہ، ہوڑہ، بنگال میں درس و تدریس کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ صدیقی صاحب مدیر تجلی کو بڑی پختگی اور سنجیدگی سے جوابات دے رہے تھے۔ میں خوش ہوا اور بہت زیادہ خوش ہوا۔ اسی وقت میں نے پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی کو مبارک باد دی اور حوصلہ افزائی کا خط لکھ دیا۔ پروفیسر صاحب نے میرا خط پاکر مسرت کا اظہار کیا اور مجھے جواب سے نوازا۔ خط کا جواب پاکر میری خوشیوں کی بھی انتہا نہ رہی۔ وہ خط تو میرے پاس محفوظ نہ رہا لیکن میرا خط جناب صدیقی صاحب کے پاس آج تک محفوظ ہے جب کہ یہ 1973ء یا 1974ء کی بات ہے۔

پروفیسر فاروق احمد صاحب صدیقی کالج اور یونیورسٹی سے وابستہ رہے۔ صدر شعبۂ اُردو بہار یونیورسٹی سے ریٹائر ہوئے۔ آپ کی یہ بڑی خصوصیت ہے کہ کبھی آپ نے مذہب حق کے تعلق سے سودے بازی نہیں کی اور نہ ہی اپنے عہدہ سے سبک دوش ہو جانے کے بعد اپنے اندر کوئی فرق آنے دیا، جیسا کہ کالج اور یونیورسٹی میں رہنے والے بہت سے سنی العقیدہ پروفیسر اور ڈاکٹر کو دیکھا گیا کہ وہ ہمیشہ اپنے کو چھپاتے رہے۔ ایسے لوگ ثوابِ آخرت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور دنیا میں بھی اُن کی قدر و منزلت باقی نہیں رہتی، وہ ادھر کے رہتے ہیں نہ اُدھر کے۔ اور جو اپنے مسلک و عقیدے پر سچائی اور پختگی کے ساتھ قائم رہتا ہے وہ دنیا و آخرت دونوں جگہ کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ جناب صدیقی صاحب اسی دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

کافی تعداد میں آپ نے اپنے شعبے سے اہل سنت نوجوانون اسکالرس کے لیے پی ایچ۔ ڈی کی منظوری دلائی اور ان کی بھرپور رہنمائی بھی کی۔ کئی طالب علم کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کی حیات و خدمات کے مختلف گوشوں پر بھی پی ایچ۔ ڈی کرائی اور کامیابی کی منزلوں سے ہم کنار کیا۔ بلکہ میں یہ کہوں کہ اس خصوص میں پروفیسر صدیقی بالکل منفرد اور ممتاز مقام کے حامل ہیں تو شاید غلط نہ ہوگا، بلکہ آپ نے ریٹائر ہونے کے بعد بھی اپنی کوشش جاری رکھی اور جو کچھ ہو سکا اس سے دریغ نہیں کیا۔ جناب صدیقی صاحب صرف نعروں اور دعووں کے قائل نہیں ہیں بلکہ بنیادی طور پر وہ میدانِ عمل کے مرد مجاہد ہیں۔ اپنے علم و عمل سے احباب اہل سنت اور متلاشیانِ علم و فن کو فائدہ پہنچانا آپ کا مطمحِ نظر ہے۔ سیمیناروں میں بھی آپ کے تحقیقی مقالے مقبول ہوتے ہیں اور سامعین سن کر محظوظ بھی ہوتے ہیں۔ آپ کا اندازِ مقالہ خوانی بھی بڑا خوب ہوتا ہے کہ سامع ذرا بھی اکتاتا نہیں۔

ڈاکٹر صاحب مجھ ناچیز سے محبت کرتے ہیں اور للہ فی اللہ کیونکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ مجھ سے ان کی کوئی دنیاوی

بانی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ

غرض وابستہ نہیں اور نہ میرے اندر کوئی ایسی خوبی ہے کہ مجھ سے وہ محبت کریں اور چاہیں، ہاں میرے اندر دو باتیں ہیں ایک اخلاص دوسرے قدردانی، کوئی اپنا بھائی جب کوئی اچھا کام کرتا ہے اور مجھے پتا چلتا ہے تو میں حتی المقدور زبانی یا تحریری اس کی حوصلہ افزائی کی کوشش کرتا ہوں، یہ میری ایک ایسی عادت ہے جسے میں نے استاذ الاساتذہ، جلالۃ العلم، حضور حافظ ملت، علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ والرضوان، بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور (متوفی ۱۹۷۶ء) سے پایا ہے۔ حضرت اکثر فرمایا کرتے تھے: ”میں لوگوں کی خوبیاں دیکھتا ہوں خامیاں نہیں دیکھتا۔“ اور خوبیاں دیکھ کر حافظ ملت علیہ الرحمہ حوصلہ افزائی فرماتے۔

ڈاکٹر صدیقی صاحب تو مجمع محاسن ہیں، اخلاق کے پیکر ہیں، اخلاص فی العمل ان کا پیشہ ہے، احباب کے ساتھ جذبہ ہمدردی و تعاون اُن کی گھٹی میں پلایا گیا ہے۔ ایک اسکالر نے جسے میں نے آپ کی خدمت میں پی ایچ ڈی کے سلسلے میں بھیجا تھا ان کا کہنا ہے کہ محض آپ کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے مجھے اتنا نوازا اور میرے ساتھ مخلصانہ سلوک کیا کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور مجھے ایسا لگا کہ میری ڈاکٹر صاحب سے بہت پرانی یاد وابستہ ہے جب کہ آج کے اس خود غرضانہ ماحول میں آدمی اس کے ساتھ تو حسن سلوک کرتا ہے جس سے براہ راست تعلق ہو لیکن اس کے واسطے سے آنے والے کسی دوسرے کے ساتھ ٹال مٹول کا سلوک کرتا ہے یا بہت رواداری کا معاملہ کر کے جلد رخصت کر دیتا ہے۔ اس حیثیت سے بھی ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی منفرد و ممتاز نظر آتے ہیں یعنی وہ صرف ادیب ہی نہیں ہیں باادب اور بااخلاق بھی ہیں۔

ان کے حسن سلوک اور یاد آوری کا ایک حیرت انگیز واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک بار میں کسی پروگرام سے واپس آتے ہوئے مظفر پور اسٹیشن پر پہنچا، گاڑی (ٹرین) لیٹ تھی، خیال آیا کہ ڈاکٹر صاحب سے فون کر کے بات کر لوں اور مظفر پور اسٹیشن پر اپنی آمد کی اور ٹرین لیٹ ہونے کی اطلاع بھی دے دوں اور بس۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت کسی تحقیقی مقالے کے وائیوا میں مصروف تھے۔ یہ وقت ٹیبل چھوڑ کر کہیں جانے کا نہیں ہوتا، سوائے یہ کہ کوئی ایمرجنسی معاملہ پیش آجائے۔ ڈاکٹر صاحب، جیسے ہی میرا فون گیا وقت نکال کر چند منٹ کے لیے اسٹیشن پر ملنے آ گئے اور مصروفیت بتاتے ہوئے ملاقات کر کے واپس ہو گئے۔ کھانے کی کوئی چیز بھی زادِ سفر کے لیے دے گئے۔ میں ڈاکٹر صاحب کے اس حسن سلوک اور محبت کے برتاؤ سے بہت متاثر ہوا۔ آج تک مجھے اس ملاقات کی حلاوت محسوس ہو رہی ہے۔

مجدد دین وملت سرکار اعلیٰ حضرت اور شہزادۂ گرامی وقار حضور مفتی اعظم ہند اور استاذ العلماء عارف حق آگاہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ و الرضوان سے غایت درجہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور ان بزرگوں کے نام ہی سے آپ کا چہرہ پُر رونق ہو جاتا ہے اور طبیعت باغ و بہار کا منظر پیش کرنے لگتی ہے۔

یونیورسٹی سطح کے علمی حلقوں میں تو آپ متعارف و مقبول ہیں ہی، علما کی جماعت میں بھی آپ کا بڑا وقار ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور دیگر اکابر اہل سنت سے متعلق سیمیناروں میں آپ اکثر مدعو کیے جاتے ہیں بلکہ آپ کی موجودگی معتبریت کی علامت تصور کی جاتی ہے اور شوق سے آپ کے مقالے اور بیانات سنے جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے تو ایسے دل دادہ ہیں کہ آپ کو بجا طور پر ترجمانِ فکرِ رضا کہا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا کے فکر و فن کے تعلق سے آپ کے کئی مقالے شائع ہو کر داد وُصول کر چکے ہیں۔ شاید کچھ زیر اشاعت بھی ہوں۔

زبان بڑی پاکیزہ، شستہ اور شگفتہ پائی ہے جو رومانیت اور لفاظی سے پاک ہوتی ہے۔ روانی ایسی کہ پڑھیے تو پڑھتے ہی چلے جائیے۔ جماعتی درد بھی رکھتے ہیں۔ کہیں کوئی ناخوشگوار واقعہ سنتے یا آپسی آویزش سے مطلع ہوتے ہیں تو دکھ درد کا اظہار کرتے ہیں اور حل کی بھی تجویز پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب مرنجاں مرنج اور باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں، چہرے پر تخشن و تکدر کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا۔ وہ دوسروں کو بھی کچھ ایسا ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو وہ پسند نہیں جو ہر وقت منہ بسورے، چہرہ بگاڑے رہتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ کسی مسلمان بھائی سے خندہ

پیشانی سے ملنا بھی صدقہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس حدیث پر پوری طرح عمل پیرا ہیں۔

سال گزشتہ عرس عزیزی یعنی عرس حضور ملت علیہ الرحمہ میں مبارک پور تشریف لائے ہوئے تھے، انھیں کسی طالب علم نے اپنی دستار بندی کی خوشی میں مدعو کیا تھا، مجھے معلوم ہوا تو میں نے اپنے خاص ادارہ تصنیف و تالیف المجمع الاسلامی میں قیام کی خواہش ظاہر کی تو فوراً وہاں تشریف لائے اور پورے ایک دن وہاں قیام فرمایا۔ اس وقت بڑی خوشگوار اور علمی مجلس رہی اور مختلف عنوانات پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا اور پوری محفل زعفران زار ہوتی نظر آئی۔

آپ کے خصائلِ حمیدہ اور اوصاف جمیلہ سے ہمیں سبق لینے اور عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔

مولائے غافر و قدیر آپ کے علم، عمر اور علمی و دینی کاموں میں بے شمار برکتیں عطا فرمائے۔ آمین، بجاہ حبیب الکریم علیہ وآلہ الصلاۃ والتسلیم۔

عزیز گرامی نفیس القلم مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی (پی ایچ ڈی) نے حضرت ڈاکٹر صاحب پر قلم اٹھا کر ایک اہم کارنامہ انجام دیا ہے وہ ڈاکٹر صاحب سے بہت قریب بھی رہے ہیں۔ امید ہے کہ سوانح نگاری کا بخوبی حق ادا کیا ہوگا۔ میری دعا ہے کہ موصوف کو علمی دینی اور رضویات کے تعلق سے گراں قدر خدمات کو مولائے تعالیٰ قبولیت کا شرف عطا فرمائے۔ آمین

عالی جناب پروفیسر فاروق احمد صدیقی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کو تاجدار اہل سنت، مفتیٔ اعظم ہند، علامہ شاہ مصطفی رضا نوری بریلوی قدس سرہٗ سے بیعت کا شرف حاصل ہے۔ اس لیے یقیناً ان کی دعائیں اور ان سے نسبت کا فیضان ہمیشہ آپ پر سایہ فگن رہا ہے اور اسی نسبت کی برکت سے آپ ہمیشہ ہر میدان میں کامیاب و کامران رہے اور ہیں۔ آپ کے اندر مسلک حق کا تصلب بھی اسی راہ سے آیا ہے جبھی تو آپ یونیورسٹی میں رہ کر بھی کبھی کسی سے دبے نہیں، اپنے مسلک حق اہل سنت وجماعت پر سختی سے قائم رہے اور ہیں، جب کہ بہت سے لوگ کسی یونیورسٹی میں پہنچ جانے کے بعد آزاد فضا میں سانس لینے لگتے ہیں، اپنی حیثیت کو بھول جاتے ہیں لیکن ڈاکٹر فاروق صاحب نے ہمیشہ اپنا تشخص برقرار رکھا۔ مسلک و عقیدے کی بنیاد پر کسی سے سمجھوتا نہیں کیا اور نہ کبھی کسی بد عقیدہ امام کے پیچھے اپنی نماز خراب کی۔ آپ کے تصلب فی الدین کی خوبی کی تو وہ بھی تعریف کرتے ہیں جو آپ کے ہم مسلک نہیں ہیں۔ میں خود بہت سے ایسے پروفیسران کو جانتا ہوں جو سنی ہوتے ہوئے اپنی سنیت کو چھپاتے ہیں اور کسی سنی کو فائدہ پہنچانے کی ہمت صرف اس لیے نہیں کرتے کہ دوسرے مسلک کے لوگ یہ نہ جان جائیں کہ یہ سنی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ جو مذہب حق پر قائم رہتا ہے خدا کی طرف سے اس کی مدد ہوتی ہے اور جو مداہنت فی الدین کا مرتکب ہوتا ہے اس کی عزت نہ اپنوں میں ہوتی ہے نہ غیروں میں۔

میری نظر میں فاروق احمد صدیقی صاحب ایک عالی دماغ مصنف بھی ہیں اور بالغ نظر ادیب بھی۔ ساتھ ہی آپ کا تنقیدی شعور آسمان کی بلندیوں کو چھوتا نظر آرہا ہے۔ آپ نظم و نثر دونوں کی تنقید پر پوری مہارت رکھتے ہیں۔ شخصی اور اعتقادی و فکری تنقید پر بھی کمال درجے کا عبور رکھتے ہیں۔ آپ نقد و تبصرے میں ہمیشہ سنجیدگی کا دامن تھامے رہتے، گھٹیا اور مبتذل انداز بیان سے بھی بچتے ہیں جو ایک دانشور اور محقق کی علامت ہے۔

ابھی میری نظر سے آپ کے تین مجموعے مقالات و منظومات کے گزرے، ایک ہے ''ازہار مدینہ'' جو آپ کی نعتوں اور منقبتوں پر مشتمل ہے۔ دوسرا ہے ''مقالات فاروقی''، جس میں علمی، ادبی اور مذہبی مضامین و مقالات اپنا جلوہ دکھا رہے ہیں۔ اور تیسرا مجموعہ ہے ''تفہیم و تجزیہ'' جو مختلف النوع تنقیدی مقالات پر مشتمل ہے۔ ہر ایک مستقل تبصرے اور تعارف کا محتاج ہے میرا یہ موضوع نہیں۔ مجھے یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ یہ تینوں تحقیقی و ادبی کتابیں ہیں۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نیو دہلی سے شائع ہوئی ہیں۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہ ادارہ جب کوئی کتاب اپنے یہاں سے شائع کرتا ہے تو یہ اس کتاب کے معتبر اور معیاری ہونے کی دلیل ہے۔

''تفہیم و تجزیہ'' جو تنقیدی مقالات کا مجموعہ ہے اس کا بہت مختصر تبصرہ ملاحظہ کریں:

اس میں ڈاکٹر صدیقی صاحب کے ۲۳؍مقالات شائع ہوئے ہیں اور ہر ایک دعوت مطالعہ دیتے ہیں اور ہر مضمون ایسا ہے کہ بس پڑھنے ہی کو جی چاہتا ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی قدس سرہٗ پر دو مضامین ہیں۔ ایک کا عنوان ہے ''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ایک نعت کا تجزیاتی مطالعہ'' یہ دس صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسرا اعلیٰ کے حضرت رفیق خاص مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی پر۔ یہ بارہ صفحات کو محیط ہے۔ اس مجموعے میں مولانا شبنم کمالی، ڈاکٹر وحید اشرف، پروفیسر سید وہاب اشرفی، مولانا بدرالقادری مصباحی کی کتابوں پر بھی تنقید و تبصرہ ہے۔ غرض اپنے اکابر کا ذکر خیر بھی ہے اور احباب اہل سنت کا بھی تذکرہ جمیل بھی ساتھ ہی دیگر ارباب شعر و ادب پر بھی تنقیدیں ہیں۔

اسی طرح آپ کا نعتیہ مجموعہ بھی اکابر اہل سنت کے مناقب اور مدحیہ اشعار سے بھرا ہوا ہے۔ مثلاً صدیقی صاحب کے ممدوحوں میں آغاز ہوتا ہے امام عالی مقام سید الشہدا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، پھر یہ نام نمایاں ہیں:

سیدنا غوث اعظم جیلانی، شیخ احمد سرہندی، مجدد ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی، تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت سرکار مفتی اعظم ہند، مجاہد ملت رئیس اعظم اڑیسہ، مولانا حامد علی فاروقی، رئیس القلم علامہ ارشد القادری، مفتی عبدالواجد قادری امین شریعت ادارہ شرعیہ علیہم الرحمۃ والرضوان۔

اب آپ کی تیسری مؤقر تصنیف ''مقالات فاروقی'' کی بھی بہت اختصار کے ساتھ سیر کرتے چلیں۔ اس کے موضوعاتی عناوین کی ایک جھلک ملاحظہ ہو جس میں ہمارے اکابر و مشائخ پر لکھے ہوئے مضامین اپنی نورانیت اور روحانیت بکھیر رہے ہیں۔

✪ غوث اعظم کی قطبیت کا راز ✪ کلام رضا میں توحید کی ضیا باریاں ✪ سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ ✪ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ ✪ مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی علیہ الرحمہ ✪ سید المشائخ سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی علیہ الرحمہ ✪ سلسلہ رشیدیہ ایک اجمالی تعارف ✪ مجدد الف ثانی اور علامہ اقبال ✪ امام احمد رضا کی تنقیدی بصیرت ✪ امام احمد رضا اور اردو ادب ✪ حضرت آسی غازی پوری کی نعتیہ شاعری ✪ حضرت آسی کی شاعری میں تصوف کی ضیا باریاں ✪ صدر الافاضل ''ریاض نعیم'' میں ✪ ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ ✪ محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری (تین مقالے) ✪ امین شریعت مولانا رفاقت حسین مفتی اعظم کانپور ✪ سرکار مجیؒ ایک کثیر الجہات شخصیت ✪ حضرت علامہ ارشد القادری کا اسلوب تحریر

اس مجموعہ ''مقالات فاروقی'' میں گویا مذہبی اور روحانی شخصیات کا پورا پورا غلبہ ہے۔

اس مختصر بیان میں صاف یہ بتانا ہے کہ حضرت فاروق احمد صدیقی صاحب کی فکری ہم آہنگی اور وابستگی کن عظیم شخصیات سے ہے اور ان کی عقیدتوں کے مراکز کون کون سے ہیں۔ ایسی عظیم و جلیل شخصیات کے تذکروں، خدمات اور مناقب پر مشتمل یہ تینوں مجموعے چھپ کر اہل علم و ادب کے درمیان مقبول ہیں اور یہ مجموعے ساتھ ہی ساتھ حضرت پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی کے علمی و ادبی اور تنقیدی شعور کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔

ایک دو صفحے کے تاثراتی مضمون کے لیے قلم اٹھایا تھا لیکن بات سے بات نکلتی رہی اور گفتگو دراز ہو گئی اور مضمون نے بھی ذرا طول پکڑ لیا جب کہ ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔

میں نے اس تاثراتی مضمون کے ساتھ ڈاکٹر صدیقی صاحب کو خط لکھا وہ بھی ہدیہ ناظرین ہے:

برادر دینی و یقینی محبی و مخلصی عالی جناب صاحب مُعلّٰی القاب ڈاکٹر پروفیسر فاروق احمد صدیقی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کی خواہش کا احترام کرتے اور اپنے دل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جناب کی شخصیت کے کچھ پہلو اور گوشوں پر اپنے قلمی تاثرات و روداد کو حیطۂ تحریر میں لا کر پیش خدمت کر رہا ہوں۔ ''گر قبول اُفتد زہے عز و شرف۔'' **(باقی ص:44 پر)**

یاد ماضی

غزہ کی تاریخ

امام الدین علیگ

1949 سے لے کر اب تک غزہ تقریباً 15 چھوٹی بڑی جنگیں جھیل چکا ہے۔ غزہ کی پٹی میں فلسطین اور اسرائیل کے بیچ لڑی گئی حالیہ جنگ سات اکتوبر 2023 کو مزاحمتی تنظیموں کے حملے کے بعد شروع ہوئی اور 24 نومبر 2024 کو عارضی جنگ بندی کا اعلان کیا گیا، جس کے تحت کچھ یرغمالیوں کی رہائی اور انسانی امداد کی ترسیل عمل میں آئی۔ اس کے بعد یہ جنگ دوبارہ شروع ہو گئی۔ بہر حال 15 جنوری 2025 کو اسرائیل اور حماس نے ایک بار پھر جنگ بندی معاہدے کے پہلے مرحلے پر اتفاق کیا جو کہ تا حال جاری ہے۔

امریکہ کی غزہ پر قبضے کی خواہش:

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ اور اسرائیلی وزیر اعظم نتن یاہو نے پانچ فروری 2025 کو ملاقات کی۔ اس کے بعد دونوں رہنماؤں کی مشترکہ پریس کانفرنس میں ٹرمپ نے غزہ کی پٹی پر امریکی قبضے کی بات کہہ کر سنسنی پھیلا دی۔ ٹرمپ نے کہا کہ غزہ سے فلسطینیوں کو کہیں اور منتقل کرنے کے بعد امریکہ پٹی کو اپنے قبضہ لے لے گا اور اسے ترقی دے کر عالمی سیاحتی مقام میں تبدیل کرے گا جہاں دوسرے ممالک کے لوگ بھی آکر رہ سکیں گے۔ اسرائیلی نتن یاہو نے ٹرمپ کے بیان کی حمایت کی۔ ٹرمپ کے اس اعلان کے بعد غزہ اور اسرائیل اور فلسطین کا تنازع ایک بار پھر زیر بحث آ گیا۔ آئیے اس موقعے پر اسرائیل اور فلسطین تنازع کے بارے میں تفصیل سے جانتے ہیں۔

غزہ اور فلسطین کی قدیم تاریخ پر ایک نظر:

غزہ پٹی کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ آثار و روایات کے مطابق غزہ کو تقریباً پانچ ہزار سال قبلِ مسیح کنعان قبیلے نے آباد کیا تھا۔ اس کے جنوب مغرب میں مصر اور صحرائے سینا ہے جب کہ شمالی مشرق میں اسرائیل واقع ہے۔ وہیں اس ساحلی پٹی کا مغربی حصہ بحیرۂ روم سے ملتا ہے۔ غزہ کی پٹی اپنی طویل تاریخ میں کئی بار اجڑی اور آباد ہوئی، حتیٰ کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کا نام بھی بدلتا رہا۔ اس پٹی کو کبھی ہزانی تو کبھی اور شلیم کے نام سے جانا گیا۔ موجودہ وقت میں اسرائیلی اور عرب اسے غازا اور غزہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ قدیم تاریخ میں غزہ بنی اسرائیل کا حصہ رہا۔ اس کے بعد یہ آشوریہ کی حکومت کے ماتحت رہا۔ بعد ازاں یہاں پر مرحلہ وار طریقے سے فارس، سکندر اعظم اور رومیوں نے حکومت کی۔

دور نبوت میں غزہ پر رومیوں کی حکومت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد اسلامی دور کے آغاز میں غزہ رومیوں کے زیر اقتدار تھا۔ دور نبوت میں ہی مسلمانوں اور رومی سلطنت کے بیچ ٹکراؤ شروع ہوا۔ حضور کے وصال کے بعد پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عمرو بن العاص کی قیادت میں اسلامی لشکر نے روم کی فوج کو شکست سے دوچار کیا۔ اس کے بعد اسلامی فوج نے قدس شہر کا محاصرہ کر لیا۔

غزہ اور فلسطین اسلامی حکومت کے تسلط میں:

اسلامی کیلنڈر کے مطابق پندرہ ہجری میں عہدِ فاروقی میں بیت المقدس فتح ہوا اور اسی کے ساتھ غزہ بھی اسلامی حکومت کے تسلط میں آ گیا۔ اس کے بعد فلسطین کی پوری سر زمین اگلے پانچ سو سال تک اسلامی خلافت کے ماتحت رہی۔

غزہ پر صلیبیوں کا قبضہ اور صلاح الدین ایوبی کی فتح

جب اسلامی حکومت کمزور پڑنے لگی تو 1099ء میں

فلسطین پر صلیبیوں نے قبضہ کر لیا اور یہ قبضہ تقریباً 80 سال تک برقرار رہا۔ 1187 میں صلاح الدین ایوبی کے دور میں حطین کی جنگ کے بعد غزہ سمیت پورے فلسطین پر دوبارہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی۔ لیکن 1233ء میں صلیبی افواج نے ایک بار پھر القدس شہر پر قبضہ کر لیا، مگر صرف گیارہ سال بعد ہی صالح نجم الدین ایوب نے 1244 میں ایک بار پھر اس خطے پر کنٹرول حاصل کر لیا۔

1259ء میں عین جالوت کی جنگ بھی غزہ میں ہی لڑی گئی تھی جس میں اسلامی لشکر نے منگولوں کو بری طرح شکست دی۔ 1517 تک فلسطین پر ممالیک کی حکومت رہی اور 1616 میں عثمانی خلیفہ سلیم الاول نے فلسطین پر اپنی حکمرانی قائم کر لی۔ اس کے بعد بیچ میں 1799 میں نپولین کے حملے کو درکنار کر دیا جائے تو پہلی عالمی جنگ تک غزہ عثمانی سلطنت کے ماتحت ہی رہا۔ اس کے بعد پہلی عالمی جنگ کے دوران سات نومبر 1917 کو برطانوی فوج نے دو بار کی ناکامی کے بعد بالآخر تیسری بار غزہ پر قبضہ کر لیا اور اسی کے ساتھ پورا فلسطین برطانیہ کے قبضے میں آ گیا۔

غزہ کی جدید تاریخ:

دراصل اسرائیل اور فلسطین تنازع کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں سلطنت عثمانیہ کی شکست کے بعد جب برطانیہ نے فلسطین پر قبضہ کیا تو اس وقت یہاں یہودی اقلیت میں تھے جب کہ عربی النسل فلسطینیوں کی آبادی 90 فیصد سے زیادہ تھی۔ مگر برطانوی تسلط کے دور میں 20ویں صدی میں یورپ میں ظلم وستم سے بھاگنے والے یہودیوں نے اس فلسطین پر ایک یہودی ریاست قائم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس وقت فلسطین کی عرب آبادی نے اس کوشش کے خلاف احتجاج کیا اور کہا کہ یہ زمین ان کی ہے اور وہ یہاں نسل در نسل آباد ہیں۔

اسرائیل کے قیام کی بنیاد:

2 نومبر 1917 کو اس وقت کے برطانوی وزیر خارجہ آرتھر بالفور نے برطانوی یہودی کمیونٹی کی ایک اہم شخصیت لیونل والٹر روتھ شیلڈ کو ایک خط لکھا۔ اس خط میں انھوں نے ”فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک ریاست کے قیام“ اور ”اس مقصد کے حصول“ میں برطانوی حکومت کی طرف سے سہولت فراہم کرنے کا عہد کیا۔ اس خط کو بالفور اعلامیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہی اعلامیہ فلسطین کے موجودہ تنازع کی جڑ بنا اور آج جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کی رسمی شروعات اسی واقعے سے ہوئی۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ برطانیہ نے صیہونی تحریک سے ایک ایسے خطے میں یہودی ملک کا وعدہ کر لیا جہاں 90 فیصد سے زیادہ آبادی فلسطینی عربوں کی تھی۔

برطانوی مینڈیٹ اور آبادیاتی تبدیلیاں:

1923 میں ایک برطانوی مینڈیٹ بنایا گیا جو 1948 تک جاری رہا۔ اس عرصے میں انگریزوں نے بڑے پیمانے پر یہودیوں کی فلسطین کی طرف نقل مکانی کی سہولت فراہم کی۔ بہت سے یہودی یورپ میں نازیوں کے عتاب سے بھاگ رہے تھے، انھیں بھی منصوبہ بند طریقے سے فلسطین کی طرف ہانک دیا گیا۔ فلسطینیوں کو اپنے ملک کی بدلتی ہوئی آبادی اور برطانیہ کی جانب سے ان کی زمین پر ضبط کرنے اور اسے یہودی تارکین وطن کے حوالے کرنے پر شدید تشویش اور ناراضگی تھی۔

1930 کی دہائی کے اہم واقعات:

فلسطین میں بڑھتی ہوئی کشیدگی بالآخر عرب بغاوت (انتفاضہ/انقلاب) کا باعث بنی، جو 1936 سے 1939 تک جاری رہی۔ اپریل 1936 میں نو تشکیل شدہ عرب نیشنل کمیٹی نے یہودی مصنوعات کے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ چھ ماہ کی طویل ہڑتال کو انگریزوں نے بے دردی سے کچل دیا۔

فلسطینیوں کے انتفاضہ/انتفادہ کا دوسرا مرحلہ 1937 کے آخر میں شروع ہوا اور اس کی قیادت فلسطینی کسان مزاحمتی تحریک نے کی۔ برطانوی فوج اور استعمار کو نشانہ بنایا۔

1939 میں برطانیہ نے فلسطین میں 30000 فوجی بھیجے۔ فلسطینی دیہاتوں پر فضائی بمباری کی گئی، کرفیو لگایا گیا اور

فلسطینیوں کے مکانات مسمار کر دیے گئے۔ان تین سال کی بغاوت کے دوران 5000 فلسطینی مارے گئے، 15 سے 20 ہزار زخمی ہوئے اور 5600 قید ہوئے۔

اقوام متحدہ کا دو ریاستی حل کا منصوبہ:

1947 تک یہودیوں کی آبادی بڑھ کر فلسطین کا 33 فیصد ہو گئی تھی لیکن ان کے پاس صرف چھ فیصد زمین تھی۔ اقوام متحدہ نے قرارداد 181 منظور کی جس میں پورے فلسطین خطے کو عرب اور یہودی ریاستوں میں تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ فلسطینیوں نے اس منصوبے کو مسترد کر دیا کیوں کہ اس منصوبے میں فلسطین کا تقریبًا 56 فیصد حصہ یہودی ریاست کے لیے مختص کر دیا گیا تھا جب کہ آبادی فلسطینیوں کی زیادہ تھی۔ اس میں زیادہ تر زرخیز ساحلی علاقے یہودی ریاست کو دے دیے گئے تھے جب کہ اس وقت تک فلسطینی غیر منقسم فلسطین کے 94 فیصد کے مالک تھے اور ان کی آبادی کا 67 فیصد تھی۔

1948 میں فلسطینیوں کا نسلی صفایا:

14 مئی 1948 کو برطانوی مینڈیٹ کی میعاد ختم ہونے سے قبل ہی مسلح صیہونی تنظیموں نے یہودی ریاست کی سرحدوں کو وسعت دینے کے لیے فلسطینی قصبوں اور دیہاتوں کو تباہ کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر حملے شروع کر دیے۔

اپریل 1948 میں یروشلم کے نواح میں واقع گاؤں دیر یاسین میں 100 سے زائد فلسطینی مرد، خواتین اور بچوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ 1947 سے 1949 تک، 500 سے زیادہ فلسطینی دیہات، قصبے اور شہر تباہ کر دیے گئے جنہیں فلسطینی "نکبہ" یا "تباہی/قیامت صغریٰ" کہتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق مغرب کی حمایت یافتہ مسلح یہودی تنظیموں کے حملوں میں 15000 سے زیادہ فلسطینی ہلاک ہوئے جن میں درجنوں قتل عام شامل ہیں۔

ان حملوں کے نتیجے میں مسلح یہودیوں نے فلسطین کے 78 فیصد حصے پر قبضہ کر لیا۔ باقی 22 فیصد فلسطین اب مقبوضہ مغربی کنارے اور محصور غزہ کی پٹی کے درمیان تقسیم ہے۔

ایک اندازے کے مطابق 750000 فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کیا گیا۔ آج ان کی اولادیں فلسطین اور پڑوسی ممالک لبنان، شام، اردن اور مصر میں پناہ گزینوں کے طور پر مقیم ہیں۔

بالآخر 14 مئی 1948 کو اسرائیل ریاست کے قیام کا باضابطہ اعلان کیا گیا۔ اگلے دن پہلی عرب اسرائیل جنگ شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی جنوری 1949 میں اسرائیل اور مصر، لبنان، اردن اور شام کے درمیان جنگ بندی کے بعد ختم ہوئی۔

دسمبر 1948 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قرارداد 194 منظور کی جس میں فلسطینی پناہ گزینوں کی واپسی کے حق پر زور دیا گیا۔

نکبہ (فلسطینیوں کی تباہی) کے بعد کیا ہوا؟

اسرائیل کی نو زائدہ ریاست میں 150000 سے بھی کم فلسطینی رہ گئے اور تقریبًا 20 سال تک انھیں فوجی قبضے میں رہنا پڑا۔ اس کے بعد انھیں اسرائیلی شہریت دے دی گئی۔ مصر نے غزہ کی پٹی پر قبضہ کر لیا اور 1950 میں اردن نے مغربی کنارے پر اپنی انتظامی حکمرانی قائم کر لی۔ 1964 میں فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (پی ایل او) قائم ہوئی اور ایک سال بعد الفتح سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی گئی۔

1967 کی چھ روزہ جنگ:

پانچ جون 1967 کو اسرائیل نے عرب افواج کے اتحاد کے خلاف چھ روزہ جنگ کے دوران غزہ کی پٹی، مغربی کنارے، مشرقی یروشلم، شام کی گولان کی پہاڑیوں اور مصری جزیرہ نما سینائی سمیت باقی ماندہ تاریخی فلسطین پر بھی اسرائیل نے قبضہ کر لیا۔ اس قبضے کے بعد بہت سے فلسطینیوں کو دوسری بار جبری نقل مکانی کا سامنا کرنا پڑا جسے "نکسہ" کہا گیا جس کا عربی میں مطلب "دھچکا" ہے۔

یوم کپور جنگ:

ایک اور عرب اسرائیل جنگ، جسے مختلف طور پر یوم کپور جنگ اور اکتوبر جنگ کے نام سے جانا جاتا ہے، اس وقت لڑی گئی

جب مصر اور شام نے اسرائیل کے زیر قبضہ جزیرہ نما سینائی اور گولان کی پہاڑیوں پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ اسی بیچ جاری سرد جنگ کے دوران کشیدگی اس وقت بڑھ گئی جب سوویت یونین نے مصر اور شام کی مدد کی اور امریکہ اسرائیل کی مدد کرتا رہا۔ پیٹرولیم برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم نے اسرائیل کی حمایت کرنے والے ممالک پر تیل کی پابندیاں عائد کرنا شروع کر دیں۔ یہ کشیدگی امریکہ اور سوویت یونین کے بیچ مذاکرات کے بعد ختم ہوئی۔

کیمپ ڈیوڈ معاہدہ:

یکم ستمبر 1978 کو اسرائیل اور مصر نے کیمپ ڈیوڈ معاہدے پر دستخط کیے، جس سے دونوں ممالک کے درمیان امن معاہدے کی بنیاد رکھی گئی۔ اس معاہدے نے اسرائیل اور مصر کی حکومتوں کے ساتھ ساتھ دیگر فریقوں کو مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کے تصفیے کے لیے بات چیت کرنے کا بھی پابند کیا۔ 26 مارچ 1979، اسرائیل جزیرہ نما سینائی سے دست بردار ہو گیا۔ اس کے تحت مصر اور اسرائیل نے ایک امن معاہدے پر دستخط کیے، جو اسرائیل اور اس کے ایک عرب پڑوسی کے درمیان پہلا معاہدہ تھا۔

حماس کی تشکیل:

حماس کا قیام 1987 میں مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی پر اسرائیلی قبضے کے خلاف پہلی فلسطینی انتفاضہ یا بغاوت کے آغاز پر ہوا تھا۔ دو سال بعد، 1989 میں، حماس نے اسرائیلی فوجی اہداف پر اپنا پہلا حملہ کیا، جس میں دو اسرائیلی فوجیوں کا اغوا اور قتل شامل تھا۔ یہ انتفاضہ عوامی تحریک، بڑے پیمانے پر احتجاج، سول نافرمانی، منظم ہڑتالیں، اور باہمی تعاون پر مبنی تھا۔

پہلا فلسطینی انتفاضہ:

دسمبر 1987 میں غزہ کی پٹی میں ایک بغاوت شروع ہوئی جس میں چار فلسطینی مارے گئے۔ ایک اسرائیلی ٹرک فلسطینی مزدوروں کو لے جانے والی دو وینوں سے ٹکرا گیا۔ اس کے بعد شروع ہوا احتجاج تیزی سے مغربی کنارے تک پھیل گیا، نوجوان فلسطینیوں نے اسرائیلی فوج کے ٹینکوں اور فوجیوں پر پتھراؤ کیا۔ اس کے نتیجے میں حماس تحریک کا قیام عمل میں آیا، جسے ابتدا میں اخوان المسلمون کی ایک شاخ قرار دیا گیا، جو اسرائیلی قبضے کے خلاف مسلح مزاحمت کی قائل تھی۔

پی ایل او بطور واحد نمائندہ:

1988 میں عرب لیگ نے پی ایل او کو فلسطینی عوام کا واحد نمائندہ تسلیم کیا۔ اسرائیلی انسانی حقوق کی تنظیم B'Tselem کے مطابق انتفاضہ کے دوران اسرائیلی فوج کے ہاتھوں 1070 فلسطینیوں کو ہلاک کیا گیا جن میں 237 بچے بھی شامل تھے، 175000 سے زائد فلسطینیوں کو گرفتار کیا گیا۔ انتفاضہ نے عالمی برادری کو تنازع کا حل تلاش کرنے کی جانب توجہ دلائی۔

میڈرڈ پیس کانفرنس:

میڈرڈ پیس کانفرنس 30 اکتوبر 1991 کو شروع ہوئی جس کی سرپرستی امریکہ اور سوویت یونین نے مشترکہ طور پر کی۔ فریقین کے درمیان ہونے والے پہلے مذاکرات میں اسرائیلی، اردنی، لبنانی، فلسطینی اور شامی نمائندوں نے شرکت کی۔ اس کثیر جہتی بات چیت میں وسیع تر عرب دنیا شامل رہی۔ دو سال تک مذاکرات ہوتے رہے لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

اوسلو معاہدہ 1993:

بہرحال برسوں کے تشدد کے بعد پہلے اوسلو معاہدے پر دستخط کیے گئے، جس کا مقصد اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان امن قائم کرنا تھا۔ حماس نے اس معاہدے کی مخالفت کی اور اسرائیل میں بس بم دھماکوں اور فائرنگ کے متعدّد واقعات انجام دیے۔ 1993 میں اوسلو معاہدے پر دستخط اور فلسطینی اتھارٹی (PA) کے قیام کے ساتھ انتفاضہ ختم ہو گیا۔ اس کے تحت ایک فلسطینی اتھارٹی کی عبوری حکومت قائم کی گئی جسے مقبوضہ مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کے کچھ حصوں میں بہت محدود خود مختاری دی گئی۔

غزہ-جیریکو معاہدہ:

4 مئی 1994 کو اسرائیل اور فلسطینیوں نے غزہ-جیریکو

معاہدے پر دستخط کیے۔ اس کے ساتھ ہی اوسلو معاہدے پر عمل درآمد شروع ہوا۔ اس معاہدے میں غزہ اور مغربی کنارے کے شہر جیریکو سے اسرائیلی افواج کے انخلا اور اسرائیلی انتظامیہ سے نئی تشکیل شدہ فلسطینی اتھارٹی کو اقتدار کی منتقلی کا بندوبست کیا گیا۔ وہیں اسرائیل نے 1995 میں غزہ کی پٹی کے گرد الیکٹرانک باڑ اور کنکریٹ کی دیوار تعمیر کر دی جس سے تقسیم شدہ فلسطینی علاقوں کے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا۔

اسرائیلی وزیر اعظم یتزاک رابن کا قتل:

4 نومبر 1995 کو اسرائیل کے پانچویں وزیر اعظم یتزاک رابن کو ایک یہودی انتہا پسند نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس قتل کا مقصد فلسطینیوں کے ساتھ امن عمل کو پٹری سے اتارنا تھا۔ رابن تل ابیب میں ایک امن ریلی سے نکل رہے تھے، اس میں 100000 سے زیادہ افراد نے شرکت کی۔ 20 سالہ یہودی حملہ آور یگل امیر نے مذہبی بنیادوں پر اوسلو معاہدے کی مخالفت کی۔ اس نے پولیس کو بتایا کہ اس نے یہ قتل مقدس سرزمین فلسطینیوں کے حوالے کرنے سے روکنے کے لیے کیا۔

28 ستمبر 2000 کو دوسری انتفاضہ کا آغاز:

دوسری انتفاضہ (فلسطینیوں کی بغاوت) کی شروعات اس وقت ہوئی جب اسرائیل کے لیکوڈ اپوزیشن لیڈر ایریل شیرون نے یروشلم کے پرانے شہر اور اس کے ارد گرد ہزاروں سیکورٹی فورسز کے ساتھ مسجد اقصیٰ پر چھاپہ مارا۔ اس دوران دو دنوں میں فلسطینی مظاہرین اور اسرائیلی فوج کے درمیان جھڑپوں میں 5 فلسطینی شہید اور 200 زخمی ہو گئے۔ اس واقعے نے بڑے پیمانے پر مسلح بغاوت کو جنم دیا۔ انتفاضہ کے دوران اسرائیل نے فلسطینی معیشت اور انفراسٹرکچر کو بے مثال نقصان پہنچایا۔ اسرائیل نے فلسطینی اتھارٹی کے زیر انتظام علاقوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور فلسطینی خطے کو علاحدہ کرنے کے لیے دیوار کی تعمیر شروع کر دی۔

بین الاقوامی قانون کے تحت غیر قانونی بستیاں:

ایک طویل عرصے کے دوران لاکھوں یہودی آباد کار فلسطینیوں کی ہڑپ کی گئی زمین پر بنائی گئی کالونیوں میں منتقل ہو چکے ہیں۔ فلسطینیوں کے لیے جگہ سکڑتی جا رہی ہے۔ مقبوضہ مغربی کنارے میں آباد کاروں کے لیے مسلسل سڑکیں اور انفراسٹرکچر تعمیر کر کے فلسطینیوں کا گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے۔ جب اوسلو معاہدے پر دستخط ہوئے تو مشرقی یروشلم سمیت مغربی کنارے میں صرف 110000 یہودی رہتے تھے۔ آج یہ تعداد 700000 سے زیادہ ہے جو فلسطینیوں سے چھینی گئی 390 مربع میل سے زیادہ اراضی پر رہتے ہیں۔

الفتح اور حماس کی تقسیم:

پی ایل او کے رہنما یاسر عرفات کا 2004 میں انتقال ہوا اور دوسرا انتفاضہ 2005 میں ختم ہوا۔

2006 میں فلسطینیوں نے پہلی بار عام انتخابات میں ووٹ ڈالا۔ حماس نے اکثریت حاصل کی تاہم، فتح نے نتائج کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حماس اور فتح کے درمیان خانہ جنگی چھڑ گئی جو مہینوں تک جاری رہی۔ اس خانہ جنگی میں سیکڑوں فلسطینی شہید ہوئے۔ اس لڑائی کے نتیجے میں حماس نے فتح (فلسطینی اتھارٹی کی مرکزی جماعت) کو غزہ کی پٹی سے باہر نکال دیا۔ فتح نے مغربی ساحل کے کچھ حصوں پر دوبارہ کنٹرول حاصل کر لیا۔ جون 2007 میں اسرائیل نے حماس پر دہشت گردی کا الزام لگاتے ہوئے غزہ کی پٹی کی زمینی، فضائی اور بحری ناکہ بندی کر دی۔

حماس کے بانی شیخ یاسین کا قتل:

اسرائیل نے 22 مارچ 2004ء کو ایک میزائل حملے میں حماس کے بانی شیخ احمد یاسین کو قتل کر دیا۔ اس وقت وہ فجر کی نماز پڑھنے کے لیے جا رہے تھے۔ اس حملے میں ان کے دو محافظ سمیت 10 دیگر لوگ بھی جاں بحق ہو گئے۔

غزہ کی پٹی پر جنگ:

2008، 2012، 2014 اور 2021 میں اسرائیل نے غزہ میں چار جنگ چھیڑی اور بڑے پیمانے پر حملے کیے۔ ان

جنگوں میں ہزاروں فلسطینی مارے گئے۔ ان میں زیادہ تر بچے اور خواتین بھی شامل تھیں۔ ان جنگوں میں ہزاروں گھر، سکول اور دفاتر و عمارتیں تباہ ہو گئیں۔

حماس کے فوجی سربراہ احمد الجعبری کا قتل:

اسرائیل نے 14 نومبر 2012 کو حماس کے فوجی سربراہ احمد الجعبری کو قتل کر دیا۔ جس کے بعد غزہ سے راکٹ حملوں اور اسرائیلی فضائی بمباری میں شدت آگئی۔ اس دوران کم از کم 150 فلسطینی اور 6 اسرائیلی مارے گئے۔

ممنوعہ ہتھیاروں کا استعمال:

غزہ پر 2008 کے حملے میں بین الاقوامی سطح پر ممنوعہ ہتھیار جیسے فاسفورس گیس کا استعمال کیا گیا تھا۔ 2014 میں، 50 دنوں کے دوران اسرائیل نے 2100 سے زیادہ فلسطینیوں کو قتل کیا، جن میں 1462 شہری اور تقریباً 500 بچے شامل تھے۔ اسرائیل نے اس جنگ کو آپریشن پروٹیکٹو ایج کا نام دیا۔ اس دوران تقریباً 11000 فلسطینی زخمی ہوئے اور 20000 مکانات تباہ ہوئے جب کہ پانچ لاکھ لوگ بے گھر ہوئے۔

امریکہ نے یروشلم کو اسرائیل کی راجدھانی قرار دیا:

دسمبر 2017 میں امریکہ نے یروشلم کو دارالحکومت تسلیم کیا۔ ٹرمپ انتظامیہ نے یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرتے ہوئے امریکی سفارت خانے کو تل ابیب سے وہاں منتقل کرنے کا اعلان کیا، جس سے فلسطینیوں میں غم و غصہ پھیل گیا۔

2018 کا غزہ احتجاج:

2018 میں غزہ اور اسرائیلی سرحد پر مظاہرے ہوئے، مظاہرین نے پتھراؤ اور پٹرول بم پھینکے۔ اسرائیلی فوجیوں نے کئی ماہ کے دوران 170 سے زائد فلسطینی مظاہرین کو ہلاک کیا۔ نومبر میں اسرائیل نے غزہ میں ایک خفیہ حملہ کیا۔ اس حملے میں کم از کم سات مشتبہ فلسطینی عسکریت پسند اور ایک سینئر اسرائیلی فوجی اہلکار ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد غزہ سے اسرائیل پر سیکڑوں راکٹ داغے گئے۔

مئی 2021 میں مسجد اقصیٰ پر چھاپہ:

یروشلم میں کئی ہفتوں کی کشیدگی کے بعد اسرائیلی پولیس نے مسجد اقصیٰ پر چھاپہ مارا، جو اسلام کے مقدس ترین مقامات میں سے ایک ہے۔ حماس نے اس کے خلاف احتجاجاً ہزاروں راکٹ داغے، جس کے بعد اسرائیل نے سینکڑوں فضائی حملوں سے جواب دیا۔ غزہ میں 2014 کے بعد ہوئی اس بدترین لڑائی میں 200 سے زائد افراد مارے گئے۔ اسرائیل میں کم از کم 10 افراد ہلاک ہوئے۔

اسرائیل میں سلسلے وار حملے:

22 مارچ سے 8 اپریل 2022 کے درمیان فلسطینیوں کی طرف سے اسرائیل میں کیے گئے حملوں میں 14 اسرائیلی ہلاک ہوئے۔ جواب میں اسرائیل نے عسکریت پسندوں اور فلسطینی کارکنوں کے خلاف کریک ڈاؤن کیا۔ مغربی ساحل پر فوجی آپریشن کا آغاز کیا، جس نے 2022 کو خاص طور پر مہلک سال بنا دیا۔

2022 میں 146 فلسطینی ہلاک:

اسرائیلی فوج نے 2022 میں مغربی کنارے میں 146 فلسطینیوں کو ہلاک کیا۔ اقوام متحدہ کی جانب سے 2005 میں ریکارڈ محفوظ رکھنے کی شروعات کے بعد سے یہ کسی بھی دوسرے سال کے مقابلے میں سب سے زیادہ اموات ہیں۔ اسرائیل نے دعویٰ کیا کہ اسی سال فلسطینیوں نے 29 اسرائیلیوں کو ہلاک کیا۔

غزہ کی حالیہ جنگ:

اسرائیل اور حماس کے درمیان حالیہ جنگ سات اکتوبر 2023 کو حماس کی قیادت میں مزاحمتی تنظیموں کے اسرائیل پر حملے کے بعد شروع ہوئی۔ 15 ماہ تک چلی اس جنگ میں غزہ میں بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی۔ سات اکتوبر کو حماس کے حملے میں کم از کم 1139 اسرائیلی ہلاک ہوئے اور 251 کو یرغمال بنا لیا گیا تھا۔ غزہ کے میڈیا آفس کے تازہ اعداد و شمار کے مطابق غزہ پر اسرائیل کے حملے میں 61700 افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ اقوام متحدہ نے اندازہ لگایا ہے کہ غزہ کی تعمیر نو میں 15 سال لگیں گے۔ ▫▫

حفظانِ صحت

بیمار........! ہوشیار

ڈاکٹر ظہور احمد دانش

صحت کتنی قیمتی شئے ہے۔لیکن ہم اس کی قدر نہیں کرتے ۔میں اپنی زندگی میں اپنے ابوجان مرحوم و مغفور کی طویل بیماری کا صدمہ دیکھ چکاہوں ۔ایک خوبصورت قدآور تناور جسم رکھنے والی ہستی کو بیماری دیمک کی طرح کھاتی چلی گئی۔ حوصلے کا کوہ ہمالیہ آخری دم تک باہمت رہے۔لیکن مجھے اُسے شدت سے احساس ہوا کہ ابو کے اردگرد کی دنیا ابو کو بالکل بیکار نظر آرہی تھی۔ میرے ابو ایک تہجد گزار نیک متقی انسان تھے۔لیکن ایک بشر ہونے کے ناطے وہ جس موذی مرض سے لڑرہے تھے وہ تکلیف میں ضرور تھے لیکن رب کے شاکر بندے تھے۔پھر جب اسپتال جانا ہوتا یا عیادت کا موقع ملتا ہے تو میں سوچتاہوں یہ صحت کتنی پیاری چیز ہے ۔ہم دولت دولت دولت کے گیت گاتے ہیں۔چھوڑو سب اپنی صحت سنبھال کے رکھو سب مل جائے گا۔ورنہ کار بنگلہ ،کوٹھی ،طرح طرح کے کھانے میوے سب بے ذائقہ ہو جائیں گے۔

میں نے خود بھی بہت بیماری دیکھی ہے ایک وقت ایسا تھا میں چلتے پھرتے انسانوں کو کائنات کا سب سے امیر انسان سمجھتا تھا کہ کتنے بخت والے ہیں جو چل سکتے ہیں پھر سکتے ہیں مگر میں نہیں۔

خیر ان دنوں میرے بچوں کی والدہ کے نیورو سسٹم میں کچھ مسائل ہیں بلڈ بلاکیج کا مسئلہ ہے تو میں بہت کرب سے گزر رہاہوں ۔اسی نیت سے کہ آپ میرے پیارے اپنا خیال رکھیں ۔مناسب اور اچھا کھائیں ،فکر نہ کریں پیارے کریم رب پر توکل کریں زیادہ کی ہوس نہ کریں ۔رب سے امید رکھیں اور چلتے چلے جائیں۔سب اچھا ہوگا۔اپنے آپ کو ہلکان مت کریں۔

صحت وہ انمول تحفہ ہے جسے ہم اکثر معمولی سمجھ بیٹھتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ صحت کے بغیر زندگی کے ہر لمحے کا لطف ادھورا رہ جاتا ہے۔ صحت ایک ایسی نعمت ہے جس کی قدر انسان صرف تب جان پاتا ہے جب وہ اسے کھو بیٹھتا ہے۔

صحت وہ بنیادی ستون ہے جس پر انسان کا جسمانی اور ذہنی استحکام قائم ہوتا ہے۔ یہ ہمیں نہ صرف توانائی فراہم کرتی ہے بلکہ ہمارے حوصلوں کو بھی بلند رکھتی ہے۔ایک صحت مند جسم میں، خوابوں کی پرواز کو پنکھ ملتے ہیں اور امیدوں کی روشنی ہمیشہ دل کو منور کرتی رہتی ہے۔

آج کے دور میں جہاں ہر طرف مقابلہ بازی اور مصروفیات کا شور ہے، صحت کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ایک مستحکم دل و دماغ کے بغیر زندگی کے رنگ ماند پڑ جاتے ہیں۔ اسی لیے ضروری ہے کہ ہم صحت کی قدر کریں، اس کی حفاظت کریں اور ہر لمحے اپنے آپ کو اس کی نعمت سے مالا مال سمجھیں۔

صحت مند رہنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ متوازن غذا، مناسب ورزش اور باقاعدگی سے طبی معائنہ کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنائیں۔ یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن پر نہ صرف ہمارے جسم کا بامقصد ارتقا ممکن ہے بلکہ ہماری روح کو بھی سکون اور چین ملتا ہے۔صحت کی دیکھ بھال دراصل اپنے آپ کے اور اپنے پیاروں کے لیے ایک محبت بھرا عہد ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ زندگی میں بہت سی نعمتیں ہیں، مگر صحت ان تمام نعمتوں کا مرکزی محور ہے۔جب تک صحت برقرار رہے گی، تب تک انسان زندگی کے ہر چیلنج کا مقابلہ ہمت اور اعتماد سے کر سکتا ہے۔صحت کو برقرار رکھنا صرف ایک ذاتی ذمہ

دوٹھلہ نکیال آزاد کشمیر، zahoordanish98@gmail.com

داری نہیں بلکہ ایک معاشرتی فرض بھی ہے، کیوں کہ ایک صحت مند فرد ہی ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے۔

آئیں، ہم سب مل کر اس انمول نعمت کی قدر کریں اور اپنے اندر یہ شعور پیدا کریں کہ صحت کے بغیر زندگی کی کوئی قیمت نہیں۔ یاد رکھیں، صحت ہزار نعمت ہے اور اسی نعمت کا شکر ادا کرنا ہی اصل خوشی اور کامیابی ہے۔

جب صحت کا دھیما سا دیا بجھ جائے تو زندگی ایک بے رنگ و بے رونق داستان بن جاتی ہے۔ صحت کی کمی انسان کو اس کے خوابوں، امیدوں اور توانائی سے محروم کر دیتی ہے۔

زندگی کی رونق اُتر جاتی ہے: جب جسمانی و ذہنی توانائی ختم ہو جائے، تو ہر کام بوجھ سا محسوس ہوتا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی خوشی بھی بے مزہ لگتی ہے، اور ہر لمحہ ایک لمبی مایوسی کا احساس دلانے لگتا ہے۔

ذہنی و روحانی بوجھ بڑھ جاتا ہے: بیمار ہونے سے نہ صرف جسم کمزور پڑتا ہے بلکہ ذہنی تھکن اور افسردگی بھی سر چڑھ کر بولتی ہے۔ دل میں اداسی کے سائے گہرے ہو جاتے ہیں، اور زندگی کی ہر خوشی دھندلی محسوس ہونے لگتی ہے۔

معاشرتی اور جذباتی تعلقات متاثر ہوتے ہیں: صحت کی عدم موجودگی میں انسان کی سماجی سرگرمیاں محدود ہو جاتی ہیں۔ دوستیاں، محبت اور خاندانی تعلقات پر بھی بوجھ پڑتا ہے، کیونکہ زندگی کی جدوجہد انسان کو تنہا کر دیتی ہے۔

امید کی کرن مدھم ہو جاتی ہے: بے صحتی میں مستقبل کے خواب ماند پڑ جاتے ہیں۔ ہر دن ایک نئی آزمائش بن جاتا ہے اور امید کی وہ کرن جو کبھی دل کو روشن کرتی تھی، دھند میں کھو جاتی ہے۔

یہ سمجھ لیں کہ صحت نہ ہونے کا اثر محض جسمانی نہیں بلکہ ذہنی، روحانی اور معاشرتی سطح پر بھی گہرا ہوتا ہے۔ اسی لیے صحت کو ایک انمول نعمت سمجھ کر اس کی قدر اور حفاظت کرنا ضروری ہے۔ ہر لمحے کو زندگی کی اس روشنی میں گزاریں، کیوں کہ صحت کی موجودگی ہی ہمیں زندگی کے اصل مفہوم اور خوشیوں سے جوڑے رکھتی ہے۔

اپنی صحت کا خیال رکھیں یہ اللہ کی نعمت ہے۔ اُس لاغر و تڑپتے مریض سے پوچھیں جو آپ جیسی زندگی کے لیے ترس رہا ہے۔ اپنا خیال رکھیں رب کے شکر گزار بندے بنیں اس کی تابعداری کو ڈیلی روٹین بنائیں۔ اس کے دیے ہوئے رزق کو اچھے انداز میں صرف کریں۔

قارئین! سچ بتاؤں صحت بہت بہت بڑی ہے خدا کے لیے اس کی قدر کریں۔ اللہ سب بیماروں کو شفا عطا فرمائے۔ آمین ◘◘

(ص:15 کا بقیہ)

(9) جس سال احرام باندھا اُسی سال حج کرنا، لہٰذا اگر اُس سال حج فوت ہو گیا تو عمرہ کر کے احرام کھول دے اور سالِ آئندہ جدید احرام سے حج کرے اور اگر احرام نہ کھولا بلکہ اُسی احرام سے حج کیا تو حج نہ ہوا۔ (بہار شریعت، حصہ:6، حج کا بیان، ص:1046)

ہم نے حج کے تین درجات یہیں سے لیے ہیں اور ان درجات کے فرق احکام بھی یہیں سے حاصل کیے ہیں اور اسی منبع نور کی روشنی میں ہم نے شوال میں عمرہ کرنے والے پر حج کو فرض بتایا ہے۔

کتنی آسانی سے بہار شریعت سے ہمارے مسئلے کا جواب مل گیا، اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اسے پڑھیں، پورا پڑھیں اور دل لگا کر اطمینان کے ساتھ پڑھیں اگر ایسا ہوا تو ان شاءاللہ ہمارے بہت سے مسئلے حل ہو جائیں گے اور اختلاف اپنی حقیقت بدل کر اتفاق و اتحاد کے قالب میں ڈھل جائے گا۔

وفّقنا اللہ تعالیٰ وایاکم السّداد والوداد.

اس مسئلے کی پوری تحقیق ہمارے رسالہ ”شوال میں عمرہ کرنے سے حج کی فرضیت کا حکم“ میں ہے جو کتاب و سنت اور فقہی جزئیات کی روشن شہادتوں کا چشم کشا مجموعہ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم ◘◘◘

چراغ خانہ

معاشرے میں خواتین کا کردار

طیب عثمانی

آج کی تیزی سے بدلتی دنیا میں، جنسی کرداروں کے بارے میں گفتگو ہمارے معاشرتی ڈھانچے کو تشکیل دیتی رہتی ہے۔ ایک نقطۂ نظر جو غور کرنے کے قابل ہے وہ خواتین کی ترقی اور ثقافتی تحفظ کے درمیان نازک توازن ہے۔ کوئی معاشرہ خواتین کی اہم شراکت کو تسلیم کیے بغیر واقعی پھل پھول نہیں سکتا، لیکن اس بارے میں باریک پہلو بھی ہیں بلکہ ان پہلوؤں کی ترجمانی ایک سوال اور اس کے جواب کی تفہیم کی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ترقی ثقافتی اقدار کے ساتھ کیسے ہم آہنگ ہو سکتی ہے؟ اس ضمن میں ہمیں درج ذیل استقرائی طرز میں جواب کی تہ تک پہنچنا ہوگا:

1. خواتین کا ناقابل تسخیر کردار:

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ معاشرہ خواتین کی شمولیت اور شراکت کے بغیر کام نہیں کر سکتا اور یہ حقیقت ثقافتوں، مذاہب اور جغرافیائی حدود کے تناظر میں مکمل انسانی تاریخ میں نظر آتی ہے۔ پوری تاریخ میں خواتین خاندانوں، برادریوں اور تہذیبوں کا سنگ بنیاد رہی ہیں، آنے والی نسلوں کی پرورش، ثقافتی، تہذیبی اور تمدنی روایات و اقدار کا تحفظ مسلسل ہر ممکنہ پیشہ ورانہ شعبہ میں کرتی رہی ہیں۔ جدید دنیا نے صحیح طور پر تسلیم کیا ہے کہ خواتین کی صلاحیتوں کو محدود کرنا نہ صرف خواتین کو نقصان پہنچاتا ہے بلکہ معاشرے کو اس کے نصف صلاحیت سے محروم کرتا ہے۔ جن ممالک نے تعلیم، افرادی قوت اور قیادت میں خواتین کی شرکت کو اپنایا ہے انہوں نے مضبوط معاشی ترقی اور سماجی ترقی کا مظاہرہ کیا ہے۔

2. غلط تقسیم: ترقی بمقابلہ ثقافتی شناخت

خواتین کی ترقی کے بارے میں بحث میں کبھی کبھی ایک خطرناک غلط فہمی سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ترقی لازماً فقط معاشی شناخت، افرادی قوت کی بڑھوتری یعنی مادی مفادات کی قیمت پر آنی چاہیے۔ ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ یہ ایک مصنوعی تقسیم پیدا کرتی ہے جو اس بات تک محدود کرتی ہے کہ خواتین کو "جدید" یا "روایتی" ہونے کے درمیان، کیریئر کی کامیابی اور ثقافتی رابطے کے درمیان انتخاب کرنا ہوگا۔ معاشی ٹول کے طور مادی فوائد کے حصول پر مبنی ترقی کا نقطۂ نظر خواتین کی ترقی کو انسانیت کے خلاف اور عورت کے تاریخی تصور کے خلاف بغاوت جنسی تقابل اور ظلم و مظلومیت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ یہ آزادی کو ثقافتی، تہذیبی، تمدنی فطری اور مذہبی اقدار کے رد کے طور پر ضروری قرار دیتا ہے۔ یہاں چند اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں:

- کیا یہ جنسی تقابل کا صنفی ڈھانچہ درست و مددگار ہے یا مستقل قریب و بعید میں ہوگا؟
- کیا خواتین کی معنی خیز ترقی کے لیے واقعی ثقافتی، تہذیبی، تمدنی اور مذہبی ورثے سے تعلقات کو منقطع کرنا ضروری ہے؟

3. بغاوت سے آگے: انضمام اور تقویت

خواتین کی ترقی کو معاشرے کے خلاف بغاوت کے طور پر دیکھنے کے بجائے ہم اسے ایک ایسی ارتقا کے طور پر تصور کر سکتے ہیں جو ہمارے اخلاقی، مذہبی اور علاقائی سماجی اسٹیل ہولڈر باہم اشتراکات کے دھاروں میں گوندھ کر مضبوط کرتی ہے۔ حقیقی

ترقی ثقافتی بنیادوں کو چھوڑنے کا مطالبہ نہیں کرتی بلکہ روایات کی ایسی تعبیر کرتی ہے جو ورثے اور انسانی وقار دونوں کا احترام کرتی ہے۔ غور کریں کہ دنیا بھر میں کتنی خواتین نے یہ طریقے ڈھونڈ لیے ہیں:

✪ تعلیم اور کیریئر کی پیروی کے ساتھ ساتھ خاندان اور برادری سے گہرے تعلقات کو برقرار رکھنا۔

✪ مذہبی تعلیمات کی ایسی تعبیر کرنا جو خواتین کی وقار اور صلاحیت کی تصدیق کرتی ہے۔

✪ ثقافتی روایات کو محفوظ رکھنا جب کہ انسانی فروغ کو محدود کرنے والے پہلوؤں کو مسترد کرنا۔

✪ پیشہ ورانہ شعبوں میں قیادت کرنا جب کہ دیکھ بھال اور کمیونٹی کی اقدار کو ساتھ لے کر چلنا جو اکثر روایتی کرداروں میں پروان چڑھتی ہیں۔

4. نیا پیراڈائم: انضمامی طریقہ:

معاشرے کو واقعی ایسی خواتین باش تراک مردوں کی ضرورت ہے جو مختلف و متنوع فکری، سماجی، تہذیبی و ثقافتی دنیاؤں کو باہم جوڑ سکیں اور ثقافتی ورثے کی حکمت اور جدید زندگی کے مواقع کو یکجا کر سکیں۔ یہ انضمام سماجی روابط کو کمزور نہیں کرے گا بلکہ انہیں مزید مضبوط، لچک دار اور جامع بنا کر مضبوط کرتا ہے۔ دور جدید کے تقاضوں کے تناظر میں ”کار آمد عورت“ وہ ہو سکتی ہے جو:

✪ ثقافتی، تہذیبی، تمدنی اور مذہبی روایات سے طاقت حاصل کرتی ہے جب کہ تنقیدی طور پر یہ جانچتی ہے کہ کون سے پہلو انسانی فروغ کو بہتر خدمت کرتے ہیں۔

✪ عوامی زندگی میں پوری طرح حصہ لیتی ہے جب کہ باہمی تعلق اور دیکھ بھال کی اقدار کو ساتھ لے کر چلتی ہے جو اکثر گھریلو دائروں میں پروان چڑھتی ہیں۔

✪ نوجوان نسلوں کے لیے ایسی جگہ بناتی ہے جہاں وہ اپنی ثقافتی جڑوں سے منسلک رہ کر اپنی منفرد صلاحیتوں کی تلاش کر سکیں۔

✪ جنسی مساوات کی وکالت ایسے طریقوں سے کرتی ہے جو متنوع ثقافتی سیاق وسباق کا احترام کرتے ہوئے ترقی کا ایک واحد ماڈل مسلط کرنے کے بجائے منظم و مربوط انسانیت کی حقیقی ترجمانی ہو۔

5. نتیجہ: بغاوت کے بجائے ہم آہنگی:

آگے کا راستہ معاشرے کے خلاف بغاوت میں نہیں بلکہ سوچے سمجھے صنفی انضمام میں ہے جو ترقی اور ثقافتی، تمدنی اور تہذیبی جڑوں کا بحیثیت کل احترام کرتا ہے۔ خواتین ہمیشہ معاشرے کی کارکردگی کے لیے ضروری رہی ہیں ثقافت اور برادری کو تشکیل دینے والی متحرک قوتوں کے طور پر نہ کہ منفعل شرکا کے طور پر ترقی اور ثقافتی رابطے کے درمیان جھوٹے انتخاب کو مسترد کر کے ہم کثیر الجہتی شناختوں کے لیے ایسے امکانات کے راستے کھول سکتے ہیں جو ہمارے سماجی ڈھانچے کو کمزور کرنے کے بجائے مضبوط کرتے ہیں۔ خواتین معاشرے میں سب سے قیمتی شراکت یعنی ثقافتی و تمدنی، اخلاقی و تہذیبی فکریات پر مبنی جامع تصور انسانیت کے لیے انضمام کا کام کر سکتی ہیں، یہ دکھاتے ہوئے کہ آگے بڑھتے ہوئے ثقافتی ورثے کی حکمت اور خوبصورتی سے کیسے جڑے رہنا ہے۔ یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ یہ صرف خواتین کا مسئلہ نہیں بلکہ انسانی مسئلہ ہے۔ جب ہم ترقی کے ایسے ڈھانچے کو اپناتے ہیں جو ثقافتی تنوع اور رابطے کا احترام کرتے ہیں، تو ہم ایسے معاشرے بنانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں جہاں ہر کوئی صنف کی پروا کیے بغیر اپنی منفرد صلاحیتوں کا حصہ ڈال سکتا ہے جب کہ معنی خیز روایات اور سماجی ارتقائی امتزاجات میں جڑا رہتا ہے۔

◘◘◘

فکرونظر

دورِ جدید کے مسلم سائنس داں

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکرو بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

* جون 2025 کا عنوان — قربانی کے سماجی پہلو
* جولائی 2025 کا عنوان — سیرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے درخشاں نقوش

عہدِ حاضر کے اہم مسلم سائنس داں

از: اقرا بی بی

اقرا بی بی قائد اعظم یونیورسٹی پاکستان میں بی ایس بائیو کیمسٹری کی طالبہ ہیں۔ وہ YOLO میں اکیڈمک سکریٹری کے طور پر خدمات انجام دے رہی ہیں اور مختلف غیر منافع بخش تنظیموں کی ایونٹ مینجمنٹ ٹیم کا حصہ بھی ہیں۔ فطری طور پر اردو شاعری سے وابستگی ہے، عمدہ اشعار کہتی ہیں اور اپنے یوٹیوب چینل "حرف جنون" کے ذریعے اردو شعر و ادب کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ علمی و ادبی کتابوں کے مطالعے کا بہترین ذوق رکھتی ہیں اور اردو ناولوں سے انھیں خاص شغف ہے۔

محترمہ اقرا بی بی کا یہ مضمون "سائنس میگزین" کے شمارہ ۱۲/ مارچ ۲۰۲۵ میں **Inspiring minds; Muslim Scientists of the modern era** کے عنوان سے شائع ہوا، بزم دانش کے موضوع کی مناسبت سے ہم اس مضمون کا اردو ترجمہ شائع کر رہے ہیں۔ (مہتاب پیامی)

ماضی کی طرح آج بھی مسلمان سائنس کے اہم شعبوں میں اپنی اختراعات و ایجادات اور تحقیقات کے سبب نمایاں ہیں، یہاں ہم عہدِ حاضر کے بعض مسلم سائنس دانوں کا مختصر تعارف اور ان کے کارنامے زیرِ بحث لائیں گے۔

✪ ڈاکٹر نذیر خواجہ:

ڈاکٹر نذیر خواجہ ایک مشہور پاکستانی ماہر فلکیات ہیں جو وزیر آباد، پنجاب میں مقیم ہیں۔ ایک متوسط گھرانے میں پلے بڑھے، زندگی میں مالی مشکلات بھی آئیں لیکن ان مشکلات نے انھیں بڑا سوچنے سے کبھی نہیں روکا۔ اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے خلائی سائنس میں ماسٹرز

کیا اور فلکیات کی اعلیٰ تعلیم کے لیے اسکینڈینیویا کا رخ کیا۔ ڈاکٹر خواجہ نے وہاں پی ایچ ڈی کے دوران ہی جیو سائنسز میں جرمنی کی ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں، ناسا کے مشن کیسینی کے لیے کام شروع کیا۔ انھوں نے ایسٹروبائیولوجی نیٹ ورک آف پاکستان (ABNP) قائم کیا، جس میں پاکستان کے طلبہ اور پیشہ ور افراد کے ساتھ جرمن اور امریکی سائنسدان بھی شامل ہیں۔

ان کی اہم کامیابیوں میں سے ایک فری یونیورسٹی برلن میں اپنے ساتھی کارکنوں کے ساتھ، زحل کے چاند میں سے ایک Enceladus میں ضروری نامیاتی مالیکیولز کی دریافت ہے۔ رائل فلکیاتی سوسائٹی (MNRAS) کے ماہانہ نوٹس میں شائع ہونے والی یہ اہم تحقیق مانی گئی۔ ان کی یہ تحقیق امریکہ اور جرمنی کے عالمی معیار کے سائنس دانوں کی ایک ٹیم کے ساتھ ناسا کیسینی مشن کے ذریعہ انکشاف کردہ اعداد و شمار کے مطالعہ کا حصہ ہے۔

2019 میں، ڈاکٹر خواجہ کو NASA کی طرف سے Cassini's Cosmic Dust Analyzer (CDA) کے لیے "گروپ اچیومنٹ ایوارڈ" سے نوازا گیا۔ یورپی آسٹروبائیولوجی نیٹ ورک ایسوسی ایشن نے بھی انھیں 2018 میں "ہارنیک بریک ایوارڈ" سے نوازا تھا۔

✪ مریم مرزاخانی:

مرزاخانی، ایک ایرانی ریاضی دان اور سٹینفورڈ یونیورسٹی میں ریاضی کی پروفیسر ہیں، وہ 12 مئی 1977 کو تہران، ایران میں پیدا ہوئیں۔ تہران کے فرزنیگان اسکول سے انھوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ وہ نیشنل آرگنائزیشن فار ڈویلپمنٹ آف ایکسپیشنل ٹیلنٹ (NODET) کا حصہ تھیں۔ انھوں نے ٹورنٹو، اونٹاریو، کینیڈا اور ہانگ کانگ میں منعقدہ ایرانی نیشنل اولمپیاڈ اور کئی دیگر بین الاقوامی ریاضی اولمپیاڈ میں سونے کا تمغہ جیتا تھا۔ محض 17 سال کی عمر میں اتنی بڑی کامیابی حاصل کرنے والی پہلی ایرانی خاتون ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

1999 میں، انھوں نے شریف یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی سے ریاضی میں بیچلر کی ڈگری حاصل کی۔ اس نے شور کے تھیورم کے لیے ایک سادہ سا ثبوت تیار کیا جس کے لیے اسے امریکن میتھ میٹیکل سوسائٹی سے تسلیم کیا گیا۔ 2004 میں ہارورڈ یونیورسٹی سے انھوں نے اپنی پی ایچ ڈی مکمل کی۔

مرزاخانی نے ریاضی کے انسٹی ٹیوٹ میں ریسرچ فیلو اور 2004 میں پرنسٹن یونیورسٹی میں بطور پروفیسر خدمات انجام دیں۔ مرزاخانی کی تحقیق بنیادی طور پر ٹیچملر تھیوری، ہائپربولک جیومیٹری، ایرگوڈک تھیوری، تھیوری آف موڈیولی اسپیس آف ریمن سرفیسز، اور سمپلیکٹک جیومیٹری پر مرکوز تھی۔ مرزاخانی کو 2005 میں پاپولر سائنس کے چوتھے سالانہ "Brilliant 10" میں اعزاز سے نوازا گیا۔ 13 اگست 2014 کو انھیں ریاضی کے سب سے باوقار ایوارڈ "فیلڈز میڈل" سے بھی نوازا گیا۔

"ریمن کی سطحوں" کی حرکیات اور جیومیٹری اور ان کی ماڈیولی اسپیس میں اپنی شاندار شراکت کی وجہ سے دور حاضر کے ریاضی دانوں میں انھیں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

14 جولائی 2017 کو محض 40 سال کی عمر میں کینسر کے مرض میں مبتلا ہو کر کیلیفورنیا کے سٹینفورڈ ہسپتال میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ڈاکٹر یار جان عبدالصمد بلوچ :

ڈاکٹر یار جان عبدالصمد، پاکستان کے پہلے خلائی سائنسدان ہیں جو بلیدہ، بلوچستان میں مقیم ہیں۔ انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم کراچی، پاکستان میں حاصل کی، اور غلام اسحاق خان انسٹی ٹیوٹ (GIKI) سے گریجویشن کیا، 2009 میں انھیں یونیورسٹی کی جانب سے پاکستان انجینئرنگ کونسل کے بہترین گریجویٹ انجینئر آف دی ایئر ایوارڈ کے لیے بھی نامزد کیا گیا تھا۔ پی ایچ ڈی مکمل کرنے کے بعد۔ ڈاکٹر صمد نے کیمبرج میں پوسٹ ڈاکیٹرل ریسرچ ایسوسی ایٹ کے طور پر کام کرنا شروع کیا اور

سینئر ریسرچ سائنٹسٹ اور ٹیچنگ فیلو کے عہدے پر ترقی کی۔

فی الحال، وہ کیمبرج یونیورسٹی کے کیمبرج گرافین سینٹر میں نینو میٹریل، سپیکٹروسکوپی، اور انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کا تحقیقی کام خلا میں جانے والے سٹیلائٹس میں استعمال ہونے والے ڈیوائس کے کنکشن پر مرکوز ہے، جو یورپی اسپیس ایجنسی (ESA) اور دیگر تحقیقی اداروں کے تعاون سے انجام دیا گیا ہے۔ یہ آلہ توانائی اور بجلی کے بغیر کام کرنے اور خلائی جہاز کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کارآمد ہوتا ہے۔ انھوں نے خلا میں زیرو گریوٹی پر پیرابولک اور ساؤنڈنگ راکٹ خلا میں چھوڑ کر سائنسی تجربات کیے۔

✪ ڈاکٹر نوید اے سید:

ڈاکٹر نوید سید پاکستانی نژاد کینیڈین نیورو سائنسدان ہیں، جو اس وقت کیلگری یونیورسٹی میں سیل بائیولوجی اینڈ اناٹومی کے پروفیسر اور ہیڈ ڈیپارٹمنٹ کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے دماغی خلیات کو جوڑنے کے لیے دنیا کی پہلی بایونک نیورو چپ ایجاد کی۔ اس دریافت سے سائنس کے شعبے میں منشیات کی جانچ کی تحقیق کا آغاز ہوا۔ انھوں نے پوری دنیا میں انسانی دماغ اور اس کی منی چپ کے درمیان تعلق کے بارے میں لیکچرز پیش کیے۔

ڈاکٹر نوید کو نیورو ڈیولپمنٹ میں مہارت حاصل ہے، اور دماغی خلیات کے مواصلات پر اینستھیٹک ایجنٹوں کا اثر اور ان کا سائٹوٹوکسک اثر ان کی تحقیق کا ایک مرکز ہے۔ اپنے جرمن ساتھیوں کے ساتھ مل کر، ڈاکٹر سید نے بائیونک ہائبرڈ تیار کیا، جس نے دماغی خلیات اور الیکٹرانکس کے درمیان براہ راست مکالمے کو قابل عمل بنایا جسے ٹائم میگزین اور ڈسکوری چینل پر نمایاں طور پر شائع کیا گیا۔ نیچر، سائنس، نیوران، اور جرنل آف نیوروسائنس وغیرہ جرائد میں ان کے ایک سو بیس سے زیادہ تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ انھوں نے متعدّد بین الاقوامی اور قومی اعزازات حاصل کیے ہیں۔

ان کے شناختی ایوارڈز میں ٹورنٹو میں ایشین کمیونٹی کی جانب سے آؤٹ اسٹینڈنگ سائنٹسٹ ایوارڈ (2004)، ساؤتھ ایشین میڈیا ایکسپریس نیٹ ورک کی جانب سے کینیڈین سنسیشن ایوارڈ (2012)، پاکستان-کینیڈا ایسوسی ایشن (2012) کی جانب سے بائیومیڈیکل ریسرچ میں نمایاں شراکت کے لیے ممتاز اچیومنٹ ایوارڈ بھی دیا گیا۔

✪ تہانی عامر:

تہانی عامر، ایک امریکی مسلمان ہیں جو قاہرہ، مصر کے ایک مضافاتی علاقے میں پلے بڑھے۔ انھوں نے اپنے والد کو کار کا انجن کو ٹھیک کرتے ہوئے دیکھا تو انجینئرنگ کی طرف مائل ہوئے۔ ڈاکٹر عامر نے مکینیکل انجینئرنگ میں بیچلر، ایرو اسپیس انجینئرنگ میں ماسٹرز، اور اولڈ ڈومینین یونیورسٹی سے انجینئرنگ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ 1992 میں، انھوں نے NASA میں Computational Fluid Dynamics (CFD) میں کام کرنا شروع کیا۔

ڈاکٹر عامر کو بڑے پیمانے پر CFD کمپیوٹر کوڈز کے ساتھ کام کرنے اور رفتار کی جانچ کو انسٹال کرنے کے لیے ونڈ ٹنل کی چھت پر چڑھنے میں مہارت حاصل ہے۔ انھوں نے پتلی فلم کی تھرمل حرکات کی پیمائش کرنے کے لیے ایک نظام بھی ایجاد کیا ہے جس کا پیٹنٹ انھی کے نام ہے۔ یہ پیمائش ونڈ ٹنل میں ٹیسٹ کیے جانے والے ماڈلز پر باؤنڈری لیئر ٹرانزیشن لوکیشن کا تعین کرنے کے لیے کئی تکنیکوں کی تھرمل ماڈلنگ میں استعمال ہوتی ہے۔

خواتین میں سائنس کو فروغ دینے کے لیے ان کے کام اور لگن کے اعتراف میں، NASA نے انھیں NASA HQ ایوارڈ میں پبلک سروس ایوارڈ سے نوازا۔ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں دلچسپی رکھنے والی خواتین کے لیے ایک رول ماڈل ہیں۔

▫▫▫

ہم پھر سے سائنسی و تحقیقی میدانوں میں سرخرو ہوں گے

از: مولانا محسن رضا ضیائی

تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عروج کے دور میں سائنس کو خوب پروان چڑھایا، پوری دنیا کو سائنسی علوم وفنون سے متعارف کرایا۔ اُس کے طریقِ کار اور طرز و منہجِ تحقیق سے روشناس کرایا۔ دنیا نہیں جانتی تھی کہ سائنسی عمل اور ترقی کیا چیز ہے، اس کے ذریعہ ایجادات و انکشافات کا انقلاب کیسے لایا جاتا ہے۔ اقوامِ عالم میں مسلمان ہی پہلی قوم ہے، جس نے مظاہر کائنات کے مطالعے اور مشاہدے کو پیش کر کے فکر و جستجو اور تحقیق و تفحص کی ایک مضبوط بنیاد رکھی، جس کے نتیجے میں سائنس کا وجود ہوا اور پھر اسی سائنس سے سیکڑوں ایجادات و اختراعات ظہور پذیر ہوئیں۔

بغداد، غرناطہ، سمرقند، بخارا اور اندلس یہ شہر علوم وفنون کے اہم مراکز اور گہوارے تھے، جہاں دنیا بھر بالخصوص اہلِ یوروپ علم کی خیرات پا رہے تھے۔ یہاں معلم کے فرائض انجام دینے والوں میں اپنے وقت کے یگانۂ روزگار اور باکمال علما منصبِ تدریس پر فائز المرام تھے، جو دنیا کے اطراف و اکناف سے آنے والوں کی علمی تشنگی بجھا رہے تھے۔ ان اسلامی مراکز نے جہاں فقہ و حدیث، تاریخ و تفسیر اور منطق و فلسفہ کے میدانوں میں علما و ماہرین پیدا کیے وہیں علم طبعیات، ارضیات، فلکیات، طبیات، الجبرا اور جغرافیہ جیسے مشکل علوم کے گوہر نایاب بھی تیار کیے۔ بوعلی سینا، ابو بکر الرازی، ابوالقاسم الزہراوی، محمد الکرخی، حسن بن الہیثم، جابر ابن حیان، کمال الدین الدمیری، ابوریحان البیرونی اور محمد بن موسیٰ الخوارزمی یہ وہ نابغۂ روزگار سائنس دان ہیں جنھوں نے سائنس کو سمت و رفتار عطا کی اور اپنی محیر العقول ایجادات اور انکشافات سے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال کر رکھ دیا۔

مسلم سائنس دانوں کی تحقیقی، سائنسی اور علمی خدمات و فتوحات کی بازگشت مغرب میں بحرِ اوقیانوس تو مشرق میں دیوارِ چین تک سنائی دی، جس سے پوری دنیا نے مسلمانوں کے سائنسی کارناموں کا لوہا مانا۔ اسلامی تاریخ کے ایک نہیں بلکہ ایسے سیکڑوں عظیم سائنس دان گزرے ہیں، جن کے دم قدم سے آج دنیا شاہ راہِ ترقی کو عبور کر رہی ہے۔ آج یوروپ سائنس و ٹیکنالوجی میں جو اپنا وجود تسلیم کرا چکا ہے، وہ بھی واسطہ یا بالواسطہ اِن مسلم سائنس دانوں کا ہی خوشہ چیں رہ چکا ہے۔ من جملہ یہ کہ مسلمانوں کا سائنس سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ ہر بڑے انقلاب اور ترقی کے پیچھے ان کی مساعی جمیلہ اور محنتِ شاقہ کار فرما رہی ہے۔ آج اہلِ مغرب بالخصوص مسلم دشمن عناصر مسلمانوں کو حقیر دکھانے کے لیے طنز و تنقید کرتے نہیں تھکتے ہیں اور یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ گوار ہیں، ان کے پاس نہ تو سائنسی علوم و فنون ہیں اور نا ہی اِس شعبے میں کوئی قابلِ قدر خدمات ہیں۔ دنیا اِس صداقت و حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتی ہے کہ کل بھی مسلم سائنس دانوں نے دنیا کو سائنس کے شعبہ میں گراں قدر خدمات انجام دے کر حیرت و استعجاب میں ڈال رکھا تھا اور آج بھی اِن شعبوں میں اپنی اپنی بیش بہا خدمات سرانجام دے کر ملک کی تعمیر و ترقی میں ایک بنیادی اور کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں۔

آئیے یہاں ہم آپ کو عصرِ حاضر کے چند نامور مسلم سائنس دانوں سے متعارف کراتے ہیں، جنھوں نے بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے اوائل میں اپنی ایجادات و انکشافات سے پوری دنیا کا رخ اپنی طرف موڑ لیا۔

✪ ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام:

ہندوستان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا باب اے پی

لکچرر: دی دکن مسلم انسٹی ٹیوٹ، کیمپ، پونے

جے ڈاکٹر عبد الکلام کے تذکرہ کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا، جنھوں نے سائنس و ٹیکنالوجی کو بلندیوں پر لے کر گئے اور وہ کارہاے نمایاں انجام دیے جس سے ہندوستان کا نام پوری دنیا میں فخر سے اونچا ہو گیا۔

ڈاکٹر اے پی جے عبد الکلام ہندوستان کے صوبۂ تامل ناڈو کے ایک شہر رامیشورم میں 15 اکتوبر 1931ء کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے فزیکل سائنس اور ایرو اسپیس انجینئرنگ میں نمایاں تعلیم حاصل کی۔ جس کے بعد چار عشروں تک ایک سائنس دان اور سائنس ایڈمنسٹریٹر کے طور پر فریضہ انجام دیا۔ اسی طرح DRDO (ڈیفنس ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن) اور ISRO (انڈین اسپیس ریسرچ آرگنائزیشن) جیسے تحقیقی، سائنسی اور دفاعی اداروں سے اپنا رشتہ استوار کیا، جس کے بعد ملک کے دفاع و ترقی میں اپنا اہم رول ادا کیا۔ خاص طور سے ملک کو میزائل کی شکل میں وہ جوہری ہتھیار دیا، جس سے دشمن ممالک کی راتوں نیندیں حرام ہوگئیں اور ہندوستان دفاع کے شعبہ میں ایک طاقتور ملک بن گیا۔ اسی وجہ سے انہیں میزائل مین کہا جانے لگا۔

یقیناً ان سب کے پیچھے ڈاکٹر عبد الکلام کی سائنسی مہارت اور علمی قابلیت موجود تھی، جنہوں نے سائنس کی دنیا میں ایک حیرت انگیز کرشمہ کر دکھایا۔ اس کے علاوہ اُن کی خدمات کا دائرہ یہی تک محدود نہیں ہے بلکہ 1998ء میں بھارت کے پوکھران-II نیوکلیئر ٹیسٹ میں بھی ایک اہم تنظیمی، تکنیکی اور سیاسی کردار ادا کیا، جو 1974ء کے اصل نیوکلیئر ٹیسٹ کے بعد پہلی کامیابی تھی۔ اِن سب کے باوجود وہ ہندوستان کے گیارہویں صدرِ جمہوریۂ ہند کے لیے نامزد کیے گئے اور 2002ء تا 2007ء اپنی صدارتی خدمات کو بطریقِ احسن سرانجام دیا۔

ڈاکٹر عبد الکلام کو ان کی گوناگوں اور ہمہ جہت خدمات و ایجادات کے اعتراف میں 1981ء میں پدم بھوشن، 1990ء میں پدم وبھوشن اور 1997ء میں ملک کا سب سے معزز ترین اعزاز ''بھارت رتن'' عطا کیا گیا۔ ڈاکٹر اے پی جے عبد الکلام اپنی سائنسی و علمی خدمات و فتوحات کی وجہ سے صرف ایک شخص ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک ہمہ گیر انقلاب کے ضامن تھے۔ بالآخر سائنسی دنیا کا یہ مسافر 83 سال کی عمر میں 27 جولائی 2015ء کو میگھالیہ کے شیلانگ میں سائنس و ٹکنالوجی اور تحقیق کی اہمیت پر لکچر دیتے ہوئے ابدی نیند سو ہو گیا۔

✪ ڈاکٹر سید ظہور قاسم:

سید ظہور قاسم ایک نامور ہندوستانی سائنس دان تھے، جو سمندری ماہرِ حیاتیات کے طور پر جانے جاتے تھے۔ ۳۱/ دسمبر 1926ء کو کوشامبی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مختلف کالجوں اور یونی ورسٹیوں سے اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں حاصل کیں اور دو سو سے زائد علمی و تحقیقی مقالات لکھ کر اپنی فنی و تحقیقی صلاحیتوں کا ثبوت پیش کیا۔ وہ ہندوستان کے ۱۹۸۱ء کے انٹارٹیکا مشن کا حصہ تھے، جس کے لیے انھیں فاتح انٹارٹیکا بھی کہا جاتا ہے۔ وہ 1991ء سے 1996ء تک انڈیا کے پلاننگ کمیشن کے ممبر رہے۔ 1989ء سے 1991ء تک جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، مدورائی کامراج یونیورسٹی، انا ملائی یونیورسٹی، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی مل مدراس، اور جامعہ اسلامیہ سمیت یونیورسٹیوں کے اعزازی پروفیسر رہے۔ انہیں حکومت ہند کی طرف سے اعلیٰ ترین سول اعزاز پدم شری اور پدم بھوشن سے نوازا گیا۔

سید ظہور قاسم نے اعلیٰ پیمانے پر سائنس کے میدان میں گوناگوں خدماے انجام دیا اور دنیا بھر میں اپنے ملک کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا بھی نام روشن کیا۔ 20 دسمبر 2015ء کو 88 سال کی عمر میں انھوں نے اِس جہانِ فانی کو خیر آباد کہا۔

✪ نگار شاجی:

جو لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان بالخصوص مسلم خواتین سائنس و تحقیق کے میدانوں کافی پیچھے ہیں، نگار شاجی جیسی مسلم

عورت اُن کے منہ پر ایک زور دار طمانچہ ہے۔ نگار شاجی 1964ء میں ہندوستان کی ریاستِ تامل ناڈو کے ضلع ٹینکاسی میں پیدا ہوئی، جو ایک عظیم محققہ اور سائنس دان ہیں اور 1987ء سے سائنس کے میدان میں اپنی تحقیقی جولانیت دکھارہی ہیں، یہ آدتیہ ایل ون مشن کی پراجیکٹ کی ڈائرکٹر ہیں۔ ابھی حال ہی میں ہندوستانی خلائی ایجنسی اسرو کی طرف سے سورج کی طرف بھیجے گئے پہلے شمسی خلائی مشن کی کامیابی کا سہرا انہیں کے سر جاتا ہے، جنھوں نے ڈائریکٹر کے عہدے پر براجمان رہتے ہوئے یہ اہم کارنامہ انجام دیا۔ اسرو نے 2 ستمبر کو ملک کے پہلے سورج مشن کے تحت آدتیہ ایل اخلائی جہاز کو آندھرا پردیش کے سری ہری کوٹا خلائی مرکز سے پولر سیٹیلائٹ لانچ وہیکل -(PSLV) C57 کے ذریعے کامیابی کے ساتھ لانچ کیا تھا۔ یہ مشن زمین کے قریب ترین تارے کے بارے میں مطالعہ کرنے کے لیے پانچ سالوں کے دوران 1.5 ملین کلومیٹر کا سفر کرے گا۔ ہمیں اِس بات پر فخر ہے کہ ایک مسلم خاتون نے ہندوستان کے شمسی خلائی مشن کو کامیاب بنانے میں اپنی سائنسی وتحقیقی خدمات انجام دی ہیں، جسے ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادرکھا جائے گا۔

یہاں ہم نے صرف ہندوستان کے چند نامور سائنس دانوں کے مختصر تعارف و خدمات پر اکتفا کیا، ورنہ تو ہندوستان سمیت دنیا بھر میں عصرِ جدید کے مسلم سائنس دانوں کی طویل فہرست ہے جو سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ہم یہ کہنے میں حق بہ جانب ہیں کہ آج پوری دنیا میں سائنس وٹیکنالوجی کی بیش بہا ترقی و کامیابی میں مسلمان سائنس دانوں کا بہت بڑا حصہ ہے، جن کے بغیر ترقی کا تصور ممکن ہی نہیں ہے۔ ہاں یہ بھی صحیح ہے کہ جس طرح ماضی میں مسلمانوں کے پاس دینی وعصری علوم وفنون کے بڑے بڑے مراکز ومدارس قائم تھے، جہاں سے جید علما، محققین اور عظیم سائنس دان پیدا ہوتے تھے، آج وہ سب قصۂ پارینہ بن چکے ہیں۔ آج عالمِ اسلام کو سائنس و ٹیکنالوجی کے میدانوں میں نشاۃ ثانیہ کی ضرورت ہے جہاں پھر سے ابن الہیثم، البیرونی، بوعلی سینا، الکندی، الفارابی اور الخوارزمی جیسے جیالے پیدا ہوسکیں جو دنیا کو اپنی عظمتِ رفتہ کی یاد دلا سکیں۔

اِس میں کوئی دورائے نہیں کہ آج کی تاریخ میں یورپ و امریکہ پوری دنیا میں سائنس وٹیکنالوجی کے میدانوں میں اپنے جنون کی حد تک آگے نکل چکے ہیں، کئی ایک کامیابی و کامرانی کے علم بھی نصب کر چکے ہیں۔ یہ دنیا کے لیے یقیناً فرحت و انبساط کی بات ہے لیکن ہمارے لیے یہ ایک المیہ ہے کہ ہم ناکام کہاں ہوئے ہیں، ہم سائنسی میدانوں میں اتنے پیچھے کیوں رہ گئے، یورپ ہم سے پڑھ کر ہمیں ہی آنکھ دکھانے لگا ہے اور ہم اس کے اشارۂ ابرو پر حرکت کر رہے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو بظاہر ہماری ناکامی کے تین بڑے اسباب وعلل ہیں:

(۱) ہم نے دو سو سالوں تک یوروپی ممالک اور اقوام کی ذہنی، فکری اور جسمانی غلامی کی، جس کی وجہ سے جہاں ہمارا ذہن و دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا وہیں وسائل و ذرائع کی عدمِ فراہمی بھی بہت زیادہ حائل رہی۔

(۲) اب تو کوئی کسی کا غلام نہیں رہا، مکمل آزادی حاصل ہو چکی ہے، لیکن ہمیں لگتا ہے کہ ابھی بھی ذہنی وفکری غلامی کے طوق گلے میں پڑے ہیں، جو ہماری ترقی کے لیے بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اِس ذہنی وفکری جمود کو توڑ کر ہم اپنے اسلاف کے سائنسی نظریات اور اقدار وروایات کو از سرِ نو ترتیب دیتے اور اُن کو بنیاد اور اصول بنا کر ترقی و کامیابی کی راہ پر سرپٹ دوڑتے، لیکن ہم سے ایسا نہ ہو سکا۔

(۳) علم وتحقیق اور تلاش وتفتیش کے مادے کی کمی بھی رہی، جس کے سبب ہماری پرواز اتنی اونچی نہیں رہی جتنی ہونی چاہیے تھی۔

سائنسی میدان میں ہماری ناکامی کے یہ تین بڑے

اسباب و محرکات رہے ہیں، جن سے ہم ابھی تک ابھر نہیں پائے ہیں۔ ابھی بھی وقت ہے کہ ہم حساس بنیں، علم و سائنس سے دوستی کریں کیوں کہ یہ سائنس و ٹیکنالوجی کا عہد ہے، جس نے زمان و مکان کے سارے فاصلے سمیٹ کر رکھ دیا ہے، فکر و خیال کا زاویہ تبدیل کر دیا ہے، یہاں تک کہ سائنسی ایجادات اور انقلابات سے سب کو محوِ حیرت بنا ڈالا ہے۔ لہٰذا ایسے سائنسی ترقی کے دور میں ہم بھی پیچھے نہ رہیں بلکہ اپنی فکر کا قبلہ تبدیل کریں اور اس کے لیے ابھی سے اپنی نسلوں کو تیار کریں۔

یاد رکھیں کہ اداروں میں پڑھنے والے طلبہ آج بھی اونچائیوں کو چھو سکتے ہیں، نت نئے انوینشنز تخلیق کر سکتے ہیں اور ملک وملت کے عروج وارتقا میں ہمہ گیر انقلاب کا باعث بن سکتے ہیں، بس شرط یہ ہے کہ اپنے تعلیمی اداروں میں سائنس پر زیادہ توجہ مرکوز رکھیں، طلبہ سے سائنسی سرگرمیوں کو انجام دلائیں، انہیں ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کریں جہاں سے وہ اپنے سائنسی خوابوں کی تعبیر پوری کر سکیں۔ ان کے غور و فکر کے انداز کو سائنٹفک بنائیں، ان کے اندر علم و تحقیق اور تلاش و جستجو کا مادہ پیدا کریں، اگر ایسا ہوتا ہے تو یقین جانیے کہ ہماری قوم میں ایک نہیں سیکڑوں عبد الکلام، سالم علی، سید ظہور قاسم اور نگار شاجی جیسے عظیم سائنس دان پیدا ہوں گے۔

اخیر میں یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ ہمارے لوگ جو سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدانوں میں قابلِ حیرت کارنامے انجام دے رہیں، ان کی تعداد ابھی ناکافی ہے۔ ہماری سائنسی ترقی کے لیے یہ امر ناگزیر ہے کہ ہم اپنے اسلاف و اکابر کی سائنسی خدمات کا غائرانہ جائزہ لیں، اِس میدان میں انہیں اپنا روحانی پیشوا تسلیم کریں اور اُن کے علمی، تحقیقی اور سائنسی ورثے کو اپنا کر زندگی کے ہر شعبہ میں آگے بڑھیں۔ وہ دن دور نہیں کہ پھر سے ہماری عظمتِ رفتہ واپس آئے گی اور ہم پھر سے سائنسی و تحقیقی میدانوں میں سرخرو ہوں گے۔ ■■■

(ص:27 کا بقیہ)

حک و حذف کا آپ کو اختیار ہے۔ کہیں لغزش قلم ہو تو اسے بھی درست کرنا آپ کے اوپر چھوڑ تا ہوں۔

اس اہم کام پر ڈاکٹر مولانا غلام جابر شمس مصباحی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں اور مبارک باد دیتا ہوں کہ انھوں نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر ایک بڑا اور اہم کام انجام دیا ہے۔ یہ وفاداری اور احسان شناسی کم ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔ مولانا کے اس اقدام پر میں بہت خوش ہوں اور ان کے حوصلوں کو داد دیتا ہوں، کاش اسی طرح لوگ میدان میں آتے جائیں اور مجاہدانہ کام کرتے جائیں۔ اہل علم و ادب کا تعارف ان کی خاکہ نویسی اور حیات آشنائی کی یہ روش قابل مبارک باد بھی ہے اور قابل تقلید بھی۔

بر سبیل تذکرہ میری خواہش یہ بھی ہے کہ کاش عالی جناب حضرت ڈاکٹر سید محمد طلحہ رضوی برق دانا پوری دام اقبالہٗ پر بھی کوئی دانشور اور ان کی بارگاہ کا فیض یافتہ فاضل طلحہ شناسی کا فریضہ انجام دے تو یہ بھی دنیاے دانش وری کا ایک اہم کارنامہ ہو جائے گا۔ شاید اس تعلق سے آپ کچھ کر سکیں تو بے حد خوشی ہوگی۔ ہمت مردانہ ہو تو کوئی کام دشوار نہیں، عزم پختہ ہو تو صحرا نوردی اور کوہ پیمائی بھی کچھ نہیں۔ میری آرزو ہے کہ اس بہانے ان کے والد فاضل تورات و انجیل حضرت علامہ مولانا سید شاہ محمد قائم قتیل دانا پوری علیہ الرحمہ پر بھی کام ہو جائے گا۔ ویسے ان کی شخصیت پر مستقل تحقیقی مقالہ قلم بند کیا جا سکتا ہے اور کسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ حضرت طلحہ رضوی صاحب اگر اس سلسلے میں کچھ توجہ دیں تو یہ کام جلد اور آسان ہو سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ والسلام

محمد عبد المبین نعمانی قادری، چریا کوٹ، مئو، یوپی

(اطلاعاً عرض ہے کہ مولانا شاہ قتیل دانا پوری اور پروفیسر طلحہ رضوی برق پر بھی میری نگرانی میں تحقیقی کام ہو چکا ہے۔ صدیقی)

❖❖❖

گوشۂ ادب

ض مجھے پہچانتے ہیں؟

از: معین احمد

میں ضاد ہوں، یہ "ض" میری شکل ہے۔

اللہ جل جلالہ نے مجھے اپنے پیارے اور آخری نبی ﷺ کی زبان، جنتیوں کی زبان یعنی عربی زبان کا ایک حرف ہونے کا شرف بخشا ہے۔ مجھے فخر ہے اس بات پر کہ میں مقدس قرآن میں مندرج ہوں، مجھے قرآن سے جدا کرنا رسماً (لکھاوٹ کے اعتبار سے) محال ہے۔

لیکن مجھے اس بات کا بہت افسوس ہے کہ میں اب قرآن میں بس رسمی طور پر لکھارہ گیا ہوں، مسلمانوں کی اکثریت نے مجھے میرے حقوق کے ساتھ ادا کرنا چھوڑ دیا ہے، ارے ادا کرنا تو دور کی بات ہے میرا تو نام تک بگاڑ دیا گیا ہے، کوئی مجھے "دواد" کہہ کر پکارتا ہے تو کوئی "ظواد" کہہ کر، کوئی مجھے "زاد" کہتا ہے تو کوئی "داد" تو کوئی "ظاد" کہہ کر پکارتا ہے۔

میرے کنبے کے کل انتیس افراد ہیں، ان میں سے بھی بعض کے ساتھ ناانصافی کی جاتی ہے پر جو ظلم میرے اوپر ڈھایا جا رہا ہے اس پر میں اگر خون کے آنسوں روؤں تو بھی کم ہے۔

تم ہی بتاؤ کیا اللہ جل جلالہ نے قرآن مجید میں "ورتل القرءان ترتیلا" نازل نہیں فرمایا؟ کیا مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس کی تفسیر "تجوید الحروف و معرفۃ الوقوف" سے نہیں فرمائی؟ کیا علماے مجودین نے تجوید کی تعریف "ھو اداء الحروف من مخارجھا الخاصۃ لھا من جمیع صفاتھا اللازمۃ و العارضۃ بسھولۃ و بغیر کلفۃ" نہیں بیان فرمائی؟

کیا میرا مخرج حافہ لسان اور اس کے مقابل کی داڑھ نہیں؟ پھر کیوں مجھے سرا زبان اور جڑ ثنایا علیا سے ادا کرتے ہو؟ یا پھر سرا زبان اور سرا ثنایا علیا سے ادا کرتے ہو؟ یا کبھی اردو بول چال کی طرح سرا زبان اور اوپر نیچے کے سامنے والے دانتوں کے بیچ سے ادا کرتے ہو؟

کیا کہا؟ "ہم ایسا نہیں کرتے"! بہانے مت بناؤ، میں خوب جانتا ہوں کہ جب تمھاری آواز دال (د) کے مشابہ نکلتی ہے تب تمھاری زبان کہاں لگ رہی ہوتی ہے، جب تمھاری آواز ظا (ظ) کے مشابہ نکلتی ہے تب تمھاری زبان کہاں لگ رہی ہوتی ہے اور جب تمھاری آواز زا (ز) کے مشابہ نکلتی ہے تب تمھاری زبان کہاں لگ رہی ہوتی ہے۔

کیا مقریان کرام و مجودین عظام اس غلطی کی نشاندہی نہیں فرمائیں گے؟ دیکھو حضرت مولانا قاری محمد عثمان اعظمی نے اپنی کتاب "مصباح التجوید" میں صفات غیر متضادہ کے بیان میں صفت استطالت کی بحث میں کیا لکھا ہے "بجائے کنارہ زبان سے ادا کرنے کے زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑ سے ادا کرتے ہیں اس وجہ سے دال پر ہو جاتی ہے"۔

پھر میرے صرف مخرج ہی سے کھلواڑ نہیں کرتے بلکہ میری صفت لازمہ ممیزہ "استطالت" کی بھی ذرہ برابر رعایت نہیں کرتے، ارے یہی صفت تو تھی جو مجھے حرف "ظ" سے ممتاز کرتی تھی اور میری صحت کا معیار تھی، کیا قاری محب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے شرح فوائد مکیہ میں نہیں لکھا کہ...... (باقی ص:55 پر)

نقد و نظر

جہان حافظ ملت (جلد اول)

تبصرہ نگار: مہتاب پیامی

حضور حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان برصغیر کے جلیل القدر عالم دین، بلند پایہ محدث، عظیم مصلح اور اسلامی علوم کے فروغ میں بے مثال خدمات انجام دینے والے بزرگ کے طور پر عالمِ اسلام میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کی زندگی کا ہر پہلو ایک روشن چراغ ہے جو اہل علم اور طالبان حق کے لیے مشعل راہ ہے۔

بھوج پور مرادآباد سے لے کر مبارک پور کی آخری آرام گاہ تک حضور حافظِ ملت کی حیاتِ دل نواز کا ہر گوشہ لائقِ تقلید ہے، حافظِ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ قوم وملت کے سچے محافظ و پاسبان بھی تھے اسی لیے لوگ عقیدت و محبت سے لبریز لہجے میں "حافظِ ملت" پکارا کرتے تھے۔ علم حدیث کی خصوصی معرفت حاصل تھی اس وجہ سے "محدث مرادآبادی" بھی کہے جاتے تھے۔ تدریسی انداز میں اخلاص، تحقیق، اور طلبہ کی علمی تربیت کا خاص پہلو نمایاں تھا، آپ نے ہزاروں طلبہ کو علم دین سے آراستہ کیا جنھوں نے آفاقِ عالم کے ہر طاق میں اسلام وسنیت کے چراغ روشن کیے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی دینی خدمات بے شمار ہیں، برصغیر میں اہل سنت و جماعت کی تقویت کے لیے انتھک محنت کی، بدعات و خرافات کے خلاف آواز بلند کی اور اہل حق کو صحیح عقائد کی طرف متوجہ کیا۔ آپ کی سیرت و شخصیت پر گزشتہ پچاس برسوں سے اہلِ قلم خامہ فرسائی کر رہے ہیں لیکن ذات و صفات کے بہت سارے گوشے ہنوزہ پردۂ راز میں ہیں۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ اعلیٰ اخلاق و کردار کا پیکر تھے، آپ کی زندگی سراپا اخلاص اور للّٰہیت کا نمونہ تھی، آپ نے ہمیشہ حسن اخلاق، نرمی، عفوودرگزر اور خیر خواہی کو اپنا شعار بنایا۔ طلبہ کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آتے اور ان کی علمی و روحانی ترقی کے لیے خصوصی توجہ دیتے۔ آپ کی مجلس میں عاجزی اور انکساری کا ماحول ہوتا، جہاں ہر شخص کو عزت و محبت ملتی، تدریسی انداز محبت اور شفقت سے بھرپور ہوتا، جس کی وجہ سے طلبہ نہ صرف علمی لحاظ سے ترقی کرتے بلکہ روحانی عروج کی منزلوں پر بھی فائز ہوتے۔ اگر کوئی طالب علم غلطی کرتا تو آپ سختی کے بجائے نرمی سے سمجھاتے اور حوصلہ افزائی کرتے تاکہ وہ اپنی اصلاح کر سکے۔ طلبہ کو آزادانہ سوالات کرنے کی اجازت ہوتی اور آپ نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سوالات کے جوابات دیتے، انھیں خود اعتمادی سکھاتے اور ہمیشہ ان کی ذہنی و فکری ترقی پر زور دیتے۔ اگر کوئی طالب علم مالی پریشانی میں مبتلا ہوتا تو خاموشی سے اس کی مدد کرتے اور کسی کو اس کی خبر بھی نہ ہونے دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے فیض یافتگان نہ صرف اعلیٰ پائے کے علما و فقہا ہوئے بلکہ مثالی انسان بھی ثابت ہوئے۔

حضور حافظِ ملت نے ہمیشہ شریعتِ مطہرہ کی سختی سے پیروی کی اور دوسروں کو بھی اسی کا درس دیا۔ وہ اپنی حیات کے ہر گوشے میں سنتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک پہلو پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی چیز میں ذرا بھی شک و شبہہ ہوا، تو اس سے مکمل اجتناب فرمایا۔ ان کی پوری زندگی عبادت و ریاضت کا عملی نمونہ تھی، تہجد، نوافل، ذکرواذکار اور تلاوتِ قرآن روزمرہ زندگی کا لازمی حصہ تھے۔

جہاں تک ہم نے ان کی زندگی کا مطالعہ کیا ہمیں یہی احساس ہوا کہ شہرت اور دنیاوی مفاد سے بالکل ہی بے نیاز تھے اور ہر کام خالص لوجہ اللہ کیا کرتے تھے۔ دنیاوی جاہ و حشم سے کنارہ کشی اختیار فرما کر سادہ طرزِ حیات اور انکساری کو اپنایا۔ بڑے قناعت پسند

اور صابر و شاکر تھے، معاملات میں مکمل دیانت داری اور عدل کا پہلو اختیار کرتے، کبھی بھی کسی کے ساتھ ناانصافی نہ فرماتے اور ہر فیصلے میں شریعت کو مد نظر رکھتے۔

جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان بلند پایہ محدث تھے، علمِ حدیث میں گہری بصیرت اور مہارت کے حامل تھے، ان کی حدیث دانی کا اندازہ ان کے علمی کارناموں، تدریسی خدمات اور طلبہ کی تربیت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ وہ احادیثِ مبارکہ کو سمجھنے، ان کی تشریح کرنے اور ان سے استنباط کرنے میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

جیسا کہ ہم اور آپ جانتے ہیں حدیث کے علم میں سند (Chain of Narrators) اور رجال (Biographies of Narrators) کی تحقیق بنیادی حیثیت رکھتی ہے، تلامذہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد میں اس فن کے ماہر تھے۔ وہ اپنے درس میں شارحین کے اقوال اور فقہی اختلافات کو واضح طور پر بیان فرمایا کرتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ احادیث کے ظاہری الفاظ کے ساتھ ساتھ ان کے باطنی معانی اور عملی تطبیق پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے اور محدثین کے ساتھ ساتھ فقہا کی تشریحات اور ان کے اقوال کو بھی بیان فرمایا کرتے تھے، تاکہ حدیث اور فقہ کے درمیان ہم آہنگی کی فضا برقرار رہ سکے۔

سنتِ پر عمل کا یہ عالم ہوتا کہ عبادات مکمل طور پر سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ادا کرتے، پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کرتے اور سنتوں کا خاص اہتمام فرماتے، خود کہا کرتے کہ "نماز تو جماعت ہی کی ہے ورنہ تو صرف فرض کی ادائیگی"۔ رات کے پچھلے پہر تہجد پڑھنا ان کا معمول تھا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ اذکار و دعاؤں کو روزمرہ زندگی میں اپناتے اور دوسروں کو بھی ان کی تلقین کرتے تھے۔ ظاہری وضع قطع میں بھی سنت کی جھلک نظر آتی تھی، لباس سادگی اور سنت کے مطابق زیب تن فرماتے، ہمیشہ نرمی، خوش اخلاقی اور انکساری سے پیش آتے، سنت کے مطابق مہمانوں کی عزت و تکریم کرتے خود اپنے ہاتھوں سے مہمانوں کی خدمت فرمایا کرتے۔ اس قدر سچے اور دیانت دار کہ ہمیشہ سچ بولتے اور امانت داری کا مظاہرہ کرتے، حتیٰ کہ چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی دیانت کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے، ہر وقت معاشرتی اصلاح اور دین کی خدمت کی فکر دامن گیر رہتی، ہمیشہ لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ پر عمل کرنے کی تلقین فرمایا کرتے۔ خواہ کیسا بھی مشکل وقت ہو صبر و استقامت کا دامن کبھی نہ چھوڑا۔ کسی بھی پریشانی میں ان کی زبان پر شکوہ نہ دیکھا گیا بس اللہ کی رضا میں راضی رہتے اور دشواریوں میں پیارے آقا کی سنت کو حرزِ جاں بناتے اور اللہ سے مدد مانگتے۔

حضور حافظ ملت نے نے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کا بھلا چاہا، ان کا بنیادی مقصد دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت تھا، اور اسی کے تحت ان کے سیاسی نظریات بھی اسلامی تعلیمات سے گہرے طور پر جڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کو مد نظر رکھا اور اپنے زمانے کے سیاسی حالات کو بھی بغور دیکھا۔ وہ بنیادی طور پر ایک عالمِ دین تھے لیکن سیاست سے لاتعلق نہیں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ دین کو سیاست سے جدا نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جس میں دین اور سیاست دونوں شامل ہیں؛ تاہم، وہ سیاست میں براہِ راست عملی طور پر شریک نہیں رہے بلکہ علم و تبلیغ کے ذریعے مسلمانوں کی فکری و نظریاتی رہنمائی فرماتے رہے۔ آپ کا دور برطانوی استعمار اور تحریکِ آزادی کے عروج کا دور تھا۔ وہ مسلمانوں کی سیاسی بیداری کے حامی تھے ان کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ ہر حال میں مسلمان اپنے حقوق کی حفاظت کر سکیں۔ وہ اسلامی خلافت اور شریعت پر مبنی نظام کے زبردست داعی تھے، ان کا ماننا تھا کہ مسلمانوں کو ایسا سیاسی نظام اپنانا چاہیے جو قرآن و سنت کے مطابق ہو، جس میں عدل، مساوات اور اسلامی قوانین کی حکمرانی ہو۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ مغربی استعمار، سیکولرزم اور الحاد جیسے نظریات کے شدید ناقد تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ مسلمانوں کو

اپنی دینی اور ثقافتی شناخت کو برقرار رکھنا چاہیے اور مغربی افکار سے متاثر ہو کر اپنے مذہبی اصولوں سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ ان کا اصل زور دینی و تعلیمی محاذوں پر تھا، ان کا نظریہ تھا کہ اگر مسلمان دینی اور عصری تعلیم میں مضبوط ہو جائیں، تو وہ خود بخود سیاسی اور سماجی طور پر بھی مضبوط ہو جائیں گے، اسی مقصد کے تحت انھوں نے الجامعۃ الاشرفیہ کی بنیاد رکھی تاکہ مسلمانوں کو علمی اور دینی طور پر مستحکم کیا جا سکے۔ ان کے سیاسی نظریات دینِ اسلام کے اصولوں پر مبنی تھے۔ وہ براہِ راست کسی خاص سیاسی جماعت کا حصہ نہیں بنے، مگر ہمیشہ مسلمانوں کو ایک صالح اور اسلامی بنیادوں پر استوار سیاسی و سماجی نظام اختیار کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ ان کے نظریات آج بھی مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں، خصوصاً ایسے عالم میں جب کہ جب امت کو دینی بیداری اور سیاسی شعور کی اشد ضرورت ہے۔

یہ جو کچھ ہم نے قلم بند کیا وہ تلخیص ہے "جہانِ حافظ ملت" (جلد اول) کی۔ دو جلدوں پر مشتمل اس عظیم الشان کتاب کے مرتب و مدون ہیں مولانا اختر حسین فیضی مصباحی۔ اور ناشر ہیں مجلسِ برکات، دار العلوم اہلِ سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور۔ ۱۴۴۶ھ/۲۰۲۴ء میں پچاسویں عرسِ حافظ ملت کے موقع پر اس کتاب کا اجرا عمل میں آیا۔

حضرت مولانا اختر حسین فیضی الجامعۃ الاشرفیہ کے قابلِ ذکر اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں نامور ادیب، محقق اور مترجم ہیں، اردو زبان و ادب میں آپ کی کاوشیں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ فیضی صاحب اردو کے ان ادبا میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے ادب کو نہ صرف فکری گہرائی دی بلکہ اسلامی علوم کے فروغ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ تحقیق، تنقید، انشا پردازی اور صحافت کے مختلف میدانوں میں یکساں مہارت رکھتے ہیں، اشرفیہ میں تدریس کے دوران زبان و ادب کے فروغ کے لیے انتھک محنت کی اور عربی، فارسی اور اردو کے کلاسیکی و جدید متون کو طلبہ کے لیے آسان اور دلچسپ انداز میں پیش کیا۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ اردو ادب کی لطافتوں اور باریکیوں کو بھی اجاگر کیا، علمی، ادبی اور دینی موضوعات پر کئی کتابیں اور مضامین تحریر کیے جو اعلیٰ فکری و تحقیقی ذوق کا مظہر ہیں۔ سادہ مگر بلیغ اسلوب اختیار کر کے قاری کو باندھنے کا ہنر خوب جانتے ہیں، مشکل علمی موضوعات کو عام فہم زبان میں بیان کرنے کا ہنر انھیں خاص بناتا ہے۔ ان کی تحریریں محض سطحی نہیں ہوتیں بلکہ گہرے تجزیے اور نکتہ رسی پر مبنی ہوتی ہیں، وہ موضوع کے ہر پہلو کو تحقیقی انداز میں پرکھتے اور پھر مدلل انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ادب اردو اور اسلامی علوم کی باریکیوں پر گہری نگاہ رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی نگارشات فکری پختگی کا مظہر ہوتی ہیں۔ "جہانِ حافظ ملت" کی ترتیب و تدوین ان کا وہ کارنامہ ہے جو انھیں دنیائے ادب میں ہمیشہ زندہ رکھے گا۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا؛ "جہانِ حافظ ملت" 2 جلدوں میں شائع ہو کر مقبول خاص و عام ہوئی۔ پہلی جلد 672 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ابتدائیہ کے تحت 6 مضامین شامل ہیں، اس باب کے تین مضامین کافی اہمیت کے حامل ہیں:

(1) مبارک پور تاریخ کے آئینے میں، از: مرتب۔

(2) عہدِ حافظِ ملت کا سیاسی منظر نامہ - از: مرتب۔

(3) مسلمانانِ مبارک پور کا جذبۂ سخاوت - از: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ

مولانا کا تحریر کردہ مضمون "مبارک پور تاریخ کے آئینے میں" اس لحاظ سے کافی اہم ہے کہ اس میں مبارک پور کی جو اجمالی تاریخ بیان کی گئی ہے وہ کئی گوشوں کا احاطہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس میں جہاں سیاسی اور سماجی تاریخ کی رنگ آمیزی ہے وہیں علمی ادبی اور ثقافتی تاریخ کے اہم ترین واقعات بھی اختصار سے بیان کیے گئے ہیں۔ مبارک پور کی ثقافتی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے انجمن اہل سنت و اشرفی دار المطالعہ کی مختصر تاریخ بھی قلم بند فرمائی ہے۔ یہ مبارک پور کی ایک اہم مرکزی ثقافتی انجمن ہے جس کی بنیاد 1936ء میں ڈالی گئی۔

مولانا لکھتے ہیں: "جناب الحاج محمد یونس چیرمین مرحوم اس

انجمن کے سکریٹری تھے، اخیر عمر تک ان کی قیادت میں جلسہ و جلوس کا اہتمام ہوتا رہا۔ ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی خواہان اہل سنت نے ان کے بھائی جناب محمد مظہر انصاری صاحب کو سکریٹری نام زد کیا۔ ان کی قیادت میں برسوں جلسہ و جلوس کا اہتمام ہوتا رہا۔ ۲۰۲۲ء میں وہ اس ذمہ داری سے برطرف ہوگئے، اس کے بعد کسی وجہ سے سکریٹری کا انتخاب نہ ہوسکا اور عارضی طور پر ایک پنج رکنی کمیٹی تشکیل دی جو ۱۴۴۵ھ/۲۰۲۳ء سے ذمہ داری سنبھال رہی ہے۔" (ص:۴۱)

جہاں تک ہماری معلومات ساتھ دے رہی ہیں، الحاج محمد یونس مرحوم انجمن اہل سنت و اشرفی دار المطالعہ کے پہلے باضابطہ جنرل سکریٹری تھے، ان سے قبل کچھ دنوں تک عارضی سکریٹری کی ذمہ داریاں مشہور خوش نویس اور شاعر مولانا محمد اسلم نظامی مصباحی نے انجام دی تھیں۔ مولانا اسلم صاحب میں وہ قائدانہ صلاحیت نہیں تھے جو الحاج محمد یونس انصاری میں تھی، غالباً یہی وجہ تھی کہ جب انجمن کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے ان کا باضابطہ انتخاب ہوا تو پھر اس کے بعد نہ کسی انتخاب کی ضرورت محسوس ہوئی نہ کبھی کسی کے دل میں خیال آیا کہ سکریٹری کسی اور کو بنایا جائے۔ یونس صاحب کا انتقال 2 اگست 28/2016 شوال 1437ھ کو ہوا۔

غالباً دسمبر 2016 میں انجمن اہل سنت و اشرفی دار المطالعہ کی انتخابی میٹنگ منعقد ہوئی جس میں دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کے اہم ذمہ داران کے علاوہ اس مرکزی انجمن سے وابستہ 21 انجمن کے ذمہ داران شریک ہوئے اور اتفاق رائے سے حاجی محمد یونس انصاری مرحوم کے برادرِ گرامی الحاج محمد مظہر انصاری کو انجمن اہل سنت کا جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا۔ مولانا اختر حسین فیضی نے لکھا کہ 2023 میں پنج رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ یہ درست نہیں۔ ہوا یہ کہ جب الحاج محمد مظہر انصاری صاحب کو بطور جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا تو اسی میٹنگ میں حضرت سربراہِ اعلیٰ صاحب کی رائے سے یہ پنج رکنی کمیٹی ترتیب دی گئی، یہ کمیٹی 2023 سے نہیں بلکہ 2016 کے آخر سے کام کر رہی ہے۔ اور اس کمیٹی کا یہ انتخاب حضور سربراہِ اعلیٰ صاحب اور میٹنگ میں شامل دیگر شرکا کی اتفاق رائے سے ہوا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ کمیٹی صرف پانچ سال کے لیے منتخب ہوئی تھی۔

اس پنج رکنی کمیٹی کے ارکان حاجی محمود اختر نعمانی، حاجی سلیمان اختر شمسی، حاجی اسرار الحسن، حاجی محمود اختر ایڈوکیٹ اور محمد سلیمان انصاری ہیں۔

مولانا اختر حسین مصباحی کے مطابق 2022ء میں جب کہ جہاں تک میری یاد داشت ساتھ رہی ہے، 2023ء میں حاجی مظہر صاحب نے استعفیٰ پیش کر دیا۔ ان کے استعفیٰ پیش کرنے کے بعد، آنے والے میلاد النبی کے جلسہ و جلوس کے انتظامی امور کے سلسلے میں جو میٹنگ ہوئی اس میں مذکورہ 21 انجمنوں کے ذمہ داران اور بعض دیگر حضرات نے نئے انتخاب کی بات کی اور کہا کہ کمیٹی پانچ سال کے لیے قائم کی گئی، اس کی مدتِ کار بھی ختم ہو چکی ہے اور حاجی مظہر صاحب نے استعفیٰ بھی دے دیا ہے، ایسی صورت میں نیا انتخاب انتہائی ضروری ہے۔ لیکن چوں کہ عید میلاد النبی کے جلسہ و جلوس میں وقت کافی کم رہ گیا تھا، اس لیے نئے انتخاب کو ملتوی کر کے پرانے بورڈ (پانچ ممبران) کو ہی جلسہ و جلوس کی عارضی ذمہ داری تفویض کی گئی۔ پھر بعض ذمہ داران کی رائے سے 2024 میں بھی انتخاب کو ملتوی کر دیا گیا البتہ اس میں اتنا ضرور ہوا کہ پرانے پانچ ممبران کے ساتھ تین مزید عارضی ممبران (1) حافظ اخلاق احمد (2) ضمیر احمد (3) حاجی منصور ممبر کا عارضی طور پر بورڈ میں اضافہ کیا گیا۔

جیسا کہ مولانا اختر حسین فیضی نے لکھا کہ 2023 سے یہ ممبران عارضی طور پر کام کر رہے ہیں، تو ان کی یہ بات صد فی صد درست ہے۔ کیوں کہ بہر حال کمیٹی کا انتخاب صرف پانچ ہی سال کے لیے ہوا تھا، ہمیشہ کے لیے نہیں، انتخاب اگر کسی وجہ سے ملتوی ہو گیا تو یہ ممبران بہر حال مستقل نہیں ہوئے بلکہ جب تک نیا انتخاب نہیں ہو جاتا تب تک یہ لوگ عارضی ہی ہیں۔

مولانا اختر حسین فیضی نے اس گوشے کی طرف مجھے خاص طور پر اشارہ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ جو کچھ آپ کی جانکاری میں ہو اسے لکھ دیجیے گا، چنانچہ اتنی باتیں میں نے تحریر کر دیں۔ اب آئیے پھر چلتے ہیں "جہانِ حافظ ملت" کی طرف، مولانا نے ص: 18 پر "حرفِ ابتدا" رقم کیا ہے۔ ابتدائیہ میں کتاب کی غرض و غایت اور ترتیب و تدوین کے مختلف مراحل کا جو دل آویز تذکرہ تحریر فرمایا ہے ہم اسے یہاں من و عن نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارے قارئین کو اس کتاب کی اہمیت اور فیضی صاحب کی محنت و مشقت کا اندازہ ہو سکے۔ لکھتے ہیں:

"حافظ ملت کے پنجاہ سالہ عرس کے زریں موقع پر ان کی حیات و خدمات اور افکار و نظریات پر مشتمل اہم اور تاریخی دستاویز بنام "جہانِ حافظ ملت" پیش کی جا رہی ہے، امید ہے کہ اس میں اہلِ ذوق کے لیے سامانِ تسکین فراہم ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

اس مجموعے میں حیات و خدمات کے جن گوشوں پر مضامین شامل کیے گئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(1) تبرکات، (2) حیات و خدمات، (۳) شیوخ و اساتذہ، رفقا و تلامذہ، (4) علمی کمالات، (5) اخلاق و اوصاف، (6) نظریۂ تعلیم، (7) اسلوبِ تعلیم و تربیت، (8) سیاسی افکار، (9) تصوف و روحانیت، (10) قلمی اثاثے، (11) مکتوبات حافظ ملت، (12) تاثرات اربابِ علم و فضل، (13) تعزیت نامے بر رحلت حافظ ملت، (14) الجامعۃ الاشرفیہ، (15) جانشین حافظ ملت۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان گوشوں کا اجمالی تعارف پیش کیا جائے اور ان پر اختصار کے ساتھ تبصرہ بھی لکھا جائے، لیکن صفحات کی قلت اس کی اجازت نہیں دیتی؟ اس لیے یہ حق میں قارئین کے حوالے کرتا ہوں۔ (ص: 21)

اس کے بعد اختر حسین فیضی صاحب نے حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فضل و کمال اور حیات و خدمات پر جو کچھ لکھا گیا اس کی دست یاب فہرست نوٹ کی ہے۔ اس فہرست کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ عزیزیات کے باب میں اب تو جو کام ہو چکا، اس کا علم تو ہوتا ہی ہے ساتھ ہی لکھنے پڑھنے والوں کو یہ اندازہ بھی آسانی سے ہو سکتا ہے کہ حضور حافظ ملت کی حیات کے کن گوشوں پر ابھی مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔

فہرست حسب ذیل ہے:

(1) حافظ ملت - ابن بحر العلوم مولانا محمد احمد مصباحی (2) فیضان حافظ ملت - مولانا غلام مصطفی کوثر امجدی (3) حافظ ملت میری نظر میں - الحاج محمد حسین (4) حافظ ملت کا سفر حج - مولانا محمد اسلم بستوی مصباحی (5) حافظ ملت اور ان کی خدمات - مولانا محمد عبدالسمیع صدیقی مصباحی (6) حیات حافظ ملت - مولانا بدر القادری مصباحی (7) معارف حافظ ملت - مولانا محمد اسلم مصباحی گورکھ پوری (8) آئینہ حافظ ملت - مولانا سید رکن الدین اصدق مصباحی (9) ملفوظات حافظ ملت - اختر حسین فیضی مصباحی (10) مختصر سوانح حافظ ملت - اختر حسین فیضی مصباحی (11) جلوہ حافظ ملت (مجموعۂ مضامین) - مولانا ایاز احمد مصباحی (12) تجلیات حافظ ملت (سال نامہ) - مولانا ایاز احمد مصباحی (13) حافظ ملت نمبر (ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور) - مولانا بدر القادری مصباحی (14) حافظ ملت افکار اور کارنامے - مولانا مبارک حسین مصباحی (15) انوار حافظ ملت (ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور) - از مولانا مبارک حسین مصباحی (16) حافظ ملت نمبر (ماہ نامہ فیض الرسول براؤں شریف) (17) حافظ ملت نمبر (ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف) (18) حافظ ملت نمبر بزبان عربی (المشاهد لکھنو) (ص: 22)

اس کے بعد کتاب کی ترتیب و تدوین کے حوالے سے جو معلوماتی گفتگو انھوں نے تحریر کی ہے، وہ درج ذیل ہے:

"ان کے علاوہ بہت سے اہم اور معلوماتی مضامین ماہ ناموں اور رسالوں میں چھپے ہوئے ہیں، جو کبھی چھپے اور طاق نسیاں ہو گئے، اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ حافظ ملت کے سلسلے میں بہت سی قیمتی معلومات جو ہمارے سامنے ہونی چاہیے تھیں، ڈھیروں اوراق کے نیچے دبی ہوئی ہیں، اس صورت حال کے پیش

نظر ذہن میں یہ بات آئی کہ ان قیمتی جواہر پاروں کو نکال کر اہل ذوق کی خدمت میں پیش کیا جائے، تاکہ حیات حافظ ملت کے وہ گوشے بھی سامنے آجائیں جو اب تک نظروں سے اوجھل ہیں، کرم ہے رب کریم کا کہ اس کی توفیق سے میں نے مختلف رسالوں اور کتابوں سے مواد اکٹھا کرنا شروع کیے تو اتنے مضامین مجمع ہو گئے کہ ان کی ضخامت قریب دو ہزار صفحات کو پہنچ گئی، پھر چھنٹائی شروع کی تو اس مرحلے میں جو مضامین انتخاب میں آئے وہ دو ضخیم جلدوں میں بنام ''جہانِ حافظ ملت'' آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس کے سب سے بڑے ماخذ ''ماہ نامہ اشرفیہ'' کے مختلف شمارے، اس کا خصوصی شمارہ انوار حافظ ملت نمبر اور حافظ ملت افکار اور کارنامے ہیں۔ حافظ ملت نمبر مولانا بدر القادری سے حافظ ملت بحیثیت مفسر از شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رحم اللہ تعالیٰ علیہ اور چند مکتوبات حافظ ملت لیے گئے، جو مضمون جہاں سے لیا گیا ہے اس کا باضابطہ حوالہ دیا گیا ہے۔ کچھ مضامین بغیر حوالے کے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مضمون یا تو نیا لکھا گیا ہے یا مضمون تو مطبوعہ ہے لیکن مضمون نگار نے اس میں کچھ ترمیم و تنسیخ کر دی ہے۔'' (ص:22،23)

حرفِ ابتدائی سے قبل ایک انتہائی بیش قیمت تحریر ''تقدیم'' کے عنوان سے ہے، جسے قلم بند کیا ہے مصلحِ قوم و ملت حضرت مولانا محمد عبد المبین نعمانی نے۔ اس سے پہلے ''کلماتِ عزیز'' کے عنوان سے حضور عزیز ملت نے کتاب اور صاحبِ کتاب کے بارے میں گراں قدر ارشادات نوٹ فرمائے ہیں۔

تقدیم کا عنوان ہے ''حافظ ملت حافظ ملت کیوں؟'' اس عنوان کے تحت حضرت علامہ عبد المبین نعمانی نے کنز العمال کی ایک عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے:

''جب اسلام کی زندگی علم سے ہے، تو اسلام کی بقا اور فروغ کے لیے علمی و دینی مراکز کی تعمیر ضروری ہوئی، اس لیے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے علم ہی کو فروغ دینے کے لیے ایک تعلیمی قلعے کی تعمیر پر بطور خاص توجہ دی تاکہ اسلام کی حفاظت ہو، دین مضبوط ہو، عقائد حقہ اہل سنت کو فروغ ملے، باطل کا قلعہ قمع ہو، اس لیے یہ کہنا بجا ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ واقعی حافظ ملت تھے اور آپ کے لیے یہ لقب بالکل درست اور واقعے کے مطابق ہے، ہمارے یہاں مدارس بہت تھے اور آج بھی ہیں، لیکن اہل سنت کی کثرت کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی ہمارے یہاں مدارس کی بہت کمی ہے، چوں کہ حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ کام بہت بڑے پیمانے پر کیا، اس لیے ''حافظ ملت'' کا لقب اور تاج واقعی آپ ہی کے سر سجتا ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب سے الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر ہوئی ہے اس کے اثرات دور دور تک پہنچے ہیں، اسے دیکھ کر اہل سنت کے کئی اور مدارس بھی قائم ہو گئے ہیں یا جو مختصر تھے ان کی توسیع بھی ہوئی ہے اور ایک خاص بات یہ بھی قابل توجہ ہے کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے یہ سوچا بھی نہیں اور نہ زبان سے ظاہر کیا کہ یہ بڑا کام ہے لہٰذا یہ فلاں بڑے مولانا صاحب کریں یا فلاں خانقاہ والے کریں، ان کے بڑے وسائل ہیں جیسا کہ آج کل ہم لوگوں کا طریقہ ہو گیا ہے کہ بالعموم خود کام کرتے نہیں، دوسروں پر ٹالتے رہتے ہیں، حافظ ملت قدس سرہ کی یہ بہت بڑی خصوصیت ہے کہ انھوں نے کبھی وسائل کی کمی کا شکوہ نہیں کیا بلکہ ''ہمتِ مرداں مددِ خدا'' پر بھروسا کرتے ہوئے میدان عمل میں کود پڑے اور زندگی کے آخری لمحات تک بے مثال قربانی دی۔''

(جہانِ حافظ ملت جلد اول، ص:14،15)

ہم علامہ نعمانی کے اس اقتباس سے صد فی صد متفق ہیں۔ بے شک و شبہہ اسلام کی زندگی اور بقا کا انحصار علم پر ہے، علم وہ شے ہے جس کے ذریعے نہ صرف انسانوں کی ہدایت ممکن ہے بلکہ اس علم سے ہی دین کی حفاظت، فروغ اور استحکام بھی ہے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اپنے پیش رووں کی طرح اپنے کردار و عمل سے اس حقیقت کو ثابت کیا کہ علم ہی اسلام کی بقا اور فروغ کا واحد ذریعہ ہے۔

حضور حافظ ملت کا لقب اور آپ کا علمی مقام اس حقیقت کا غماز ہے کہ آپ نے علم دین کی اشاعت اور اس کی حفاظت کے لیے بے شمار قربانیاں دی۔ آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ دینی

مدارس کی تعمیر اور علما کی تربیت کے لیے وقف کر دیا۔ آپ کی فکر اور عمل نے اہل سنت و جماعت کو مختلف بلاد و امصار میں پائیداری عطا کی اور باطل کے اثرات کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے اپنی زندگی میں سب سے اہم کام جو کیا وہ ہے علم کی بقا کے لیے ایک اہم تعلیمی اداری کی بنیاد گزاری۔ آپ کا سب سے اہم کارنامہ جامعہ اشرفیہ کی تعمیر ہے۔ اس ادارے نے نہ صرف اہل سنت کو جہانِ علم و دانش میں استحکام بخشا بلکہ اس کے اثرات دنیا بھر میں آج بھی محسوس کیے جا رہے ہیں۔ حافظ ملت کی اس مردانہ کاوش کے بعد جب اس قسم کے اور دوسرے ادارے بھی قائم ہونے لگے تو ثابت ہوا کہ آپ کا یہ کام ایک تحریک کی شکل اختیار کر چکا ہے، آپ کی اس مجاہدانہ کاوش کے بعد تعلیمی میدان میں قابلِ ذکر انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اس عظیم کام کو شروع کرنے سے پہلے کبھی وسائل کی کمی کا شکوہ نہیں کیا، جو آج کل کا عمومی رویہ بن چکا ہے۔ عموماً لوگ بڑے کاموں کے لیے وسائل کی کمی کا بہانہ بنا کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہ جاتے ہیں، لیکن حضرت حافظ ملت نے کبھی اس طرح کے بہانے نہیں بنائے۔ آپ نے ہمیشہ ”ہمتِ مرداں، مددِ خدا“ کے اصول کو اپنایا اور اللہ کی مدد پر بھروسا رکھتے ہوئے میدان عمل میں قدم رکھا۔ آپ نے مدارس کے قیام اور ان کے لیے وسائل فراہم کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد کی، آپ کا یہ عمل اس بات کا غماز ہے کہ آپ کی نظر میں دین کا کام کرنے کے لیے صرف صاف نیت اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت پر بھروسا ہونا ضروری ہے۔ حضور حافظ ملت کی ایک اور بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ یہ بڑا کام کوئی اور کرے گا، بلکہ آپ نے خود اس ذمہ داری کو قبول کیا۔ آپ نے اپنے عہد میں جب علمی اور دینی اداروں کی کمی محسوس کی، تو اس کا حل نکالنے کے لیے خود میدان میں آئے۔ اس کے برعکس آج کل کا عمومی طرز عمل یہ ہو گیا ہے کہ لوگ بڑی باتوں کو دوسروں پر ڈال کر خود آرام سے سو جاتے ہیں، لیکن حافظ ملت نے کبھی اس طرح کا طرز عمل اختیار نہیں کیا۔

علامہ نعمانی مزید فرماتے ہیں:

”حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اس لیے بھی حافظ ملت تھے کہ آپ نے دین کا ایک عظیم قلعہ تعمیر کر کے قوم کے ہاتھوں میں علم کا چراغ اور ایمان و یقین کا ہتھیار دے دیا، جس سے وہ اپنے ایمان کی حفاظت کریں گے، جو سب سے قیمتی دولت ہے، اور علم کی روشنی میں شاہ راہ حیات بھی طے کریں گے، تحفظ ایمان و عقیدے کا یہ کارنامہ حافظ ملت کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ ہے، چناں چہ اس جامعہ سے فارغ ہونے والے علما، مفتیان کرام اور مناظرین عملی میدان میں شرعی معاملات سے متعلق فتاویٰ بھی دیتے ہیں اور احقاق حق و باطل کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں اور دیگر قابل اور ذی استعداد علما مسند تدریس کو سنبھال کر دین کے محافظین کی کھیپ تیار کر رہے ہیں۔“(ص:15)

جہانِ حافظ ملت جلد اول کی ترتیب مشمولات میں ابتدائیہ کے بعد ”تبرکات“ شامل ہیں۔ اس کے تحت حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی چند نایاب اور یادگار تحریروں اور خطبات کو شامل کیا گیا ہے۔

اس کے بعد چار ابواب میں آپ کی حیات و خدمات، شیوخ و اساتذہ، رفقا و تلامذہ، علمی کمالات اور اخلاق و اوصاف کے مختلف گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے مضامین جمع کیے گئے ہیں، ہم ذیل میں صرف ان مضامین کی فہرست پیش کریں گے:

حیات و خدمات:

- حافظ ملت ایک نظر میں- مولانا عبدالمبین نعمانی
- حافظ ملت احوال اور کارنامے- اختر حسین فیضی مصباحی
- حافظ ملت کے عشق مبین کی فتح- علامہ ارشد القادری
- حافظ ملت میرے محسن، میرے مہربان- مولانا بدر القادری مصباحی
- حافظ ملت اور تعمیر انسانیت- مولانا نصر اللہ رضوی
- حافظ ملت خدمات و اثرات کا مختصر جائزہ- مفتی محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی
- حافظ ملت ملی قیادت اور شیرازہ بندی- مولانا نفیس احمد مصباحی
- حافظ ملت اور بلرام پور- ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

- حافظ ملت اور جمشید پور-محمد قاسم عزیزی
- حافظ ملت اور نیپال-مفتی محمد رضا قادری مصباحی
- حافظ ملت کی بے قرار زندگی، پر سکون موت-حضرت عزیز ملت
- علالت سے آغوش لحد تک-مولانا محمد شفیع اعظمی
- وصال کے بعد آنکھوں دیکھا حال-مولانا محمد احمد مصباحی
- تقریبات عرس چہلم-مولانا بدر القادری مصباحی
- حافظ ملت مناقب جلیلہ کے آئینے میں-ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی

شیوخ واساتذہ، رفقاو تلامذہ:

- حافظ ملت کے مرشد گرامی-مولانا محمد فیصل رضا مصباحی
- حافظ ملت کے اساتذۂ کرام-مولانا نفیس احمد مصباحی
- حافظ ملت اور صدر الشریعہ-اختر حسین فیضی مصباحی
- حافظ ملت کے رفقاے درس-مولانا محمد قاسم مصباحی
- تلامذہ حافظ ملت: اجمالی تعارف-مولانا محمد مجاہد اختر مصباحی

علمی کمالات:

- حافظ ملت بحیثیت مفسر-مفتی محمد شریف الحق امجدی
- حافظ ملت کا محدثانہ مقام-مولانا محمد ناظم علی مصباحی
- حافظ ملت کی فقہی بصیرت کے چند شواہد-مفتی محمد معراج القادری
- حافظ ملت کی فقہی بصیرت-مولانا عبد الوحید مصباحی
- حافظ ملت اور علوم عقلیہ-مفتی محمد معراج القادری
- حافظ ملت اپنے خطبات کے آئینے میں-مولانا مبارک حسین مصباحی

اخلاق واوصاف:

- حافظ ملت اور خدمت خلق-سید رکن الدین اصدق مصباحی
- حافظ ملت ایک تاریخی شخصیت-مولانا لیٰسین اختر مصباحی
- حافظ ملت کا ایفائے عہد-مولانا عبد السلام رضوی
- حافظ ملت عظیم تاریخ ساز شخصیت-محمد صابر القادری نسیم بستوی
- حافظ ملت: کچھ یادیں کچھ باتیں-حکیم محمد یوسف عزیزی بستوی
- حافظ ملت اہل مبارک پور کے ہم درد وغم خوار-شرر مصباحی
- اخلاق عالیہ کی جھلکیاں-قاری عبد الحکیم عزیزی مصباحی
- حافظ ملت کی اخلاقی تعلیمات-مولانا محمد عبد المبین نعمانی
- حافظ ملت: ایک پیکر استقامت-مولانا محمد عبد المبین نعمانی
- چند خاطر نواز پہلو-مولانا مبارک حسین مصباحی
- حافظ ملت: شفقت ومروت کا مہر تاباں-مولانا وصال احمد اعظمی

فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ "جہانِ حافظ ملت" ایک نادر و نایاب علمی و ادبی سرمایہ ہے، جو نہ صرف حافظِ ملت حضرت مولانا عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کی حیات و سیرت کو اجاگر کرتا ہے بلکہ ان کی علمی، دینی، اور روحانی خدمات کو بھی دلنشین انداز میں پیش کرتا ہے۔ یہ کتاب ایک ایسا آئینہ ہے جس میں حافظِ ملت کی زندگی کے مختلف گوشے جھلملاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اربابِ قلم کی کی نثر کا حسن، زبان کی شگفتگی اور بیان کی روانی کتاب کے ہر صفحے کو ایک تخلیقی شاہکار بناتی ہے۔ ان کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ خوشبو کی طرح قاری کے ذہن و دل میں بس جاتے ہیں اور تاریخ کے جھروکوں سے ایک ایسی شخصیت کا عکس ابھرتا ہے جو علم و عمل، زہد و تقویٰ، اور فہم و فراست کا پیکر تھی۔

کتاب میں شامل مضامین و مقالات کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ روایتی سوانحی اسلوب سے ہٹ کر محققانہ اور فکری انداز اپنایا گیا ہے۔ ان میں محض واقعات کی ترتیب ہی نہیں نہیں بلکہ حافظِ ملت کے کردار و اخلاق، ان کی تعلیمی و تدریسی مساعی، اور ملت کے لیے ان کی بے پناہ خدمات کو گہرائی سے کھنگالا گیا ہے۔ مقالہ نگاروں نے جہاں علمی اسلوب کا التزام رکھا ہے، وہیں ان کی نثر میں ایک جذباتی چاشنی بھی ہے جو قاری کو باندھے رکھتی ہے۔

کتاب میں شامل مضامین نہ صرف تحقیق و تدقیق کے اعلیٰ معیار پر پورے اترتے ہیں بلکہ ادبی لطافت اور فکری بالیدگی سے بھی معمور ہیں۔ مختلف اہلِ قلم کی تحریریں کتاب کو ایک متنوع رنگ عطا کرتی ہیں، اور یوں یہ محض ایک سوانحی دستاویز نہیں بلکہ ایک فکری و ادبی گلشن بن جاتی ہے، جہاں ہر مضمون ایک خوشبودار پھول کی مانند مہک رہا ہے۔ یہ ایک ایسا علمی و ادبی شاہکار ہے جو نہ صرف محققین علما کے لیے اہمیت رکھتا ہے بلکہ عام قارئین کے لیے بھی دلچسپی کا باعث ہے۔ ❋❋

صدائے بازگشت

بیٹے کے نام خط
ایک عالم کے مرتد بننے کی عبرت ناک کہانی

پیارے بیٹے! اللہ کریم تمھیں سلامت رکھے!

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور زوالِ نعمت سے پناہ مانگو!

کئی دن سے سوچ رہا تھا کہ تمھیں خط لکھوں، تم نے درسِ نظامی میں داخلہ تو لے لیا لیکن یاد رکھنا یہ راہ کوئی آسان بھی نہیں قدم قدم پر ازلی دشمن ابلیس سایے کی طرح ہمارے ساتھ ہے اور چاہتا ہے کہ ہمیں بہکا دے۔

میں نے ایک قصہ پڑھا تو سوچا تمھیں ضرور سناؤں یہ بیسویں صدی کی ابتدا کی بات ہے عبداللہ القصیمی نام کا ایک بہت بڑا علمی نام دنیا کے سامنے آیا۔ عبداللہ سعودی عرب میں پیدا ہوا اور اس وقت دنیا کے سیاسی حالات میں بہت بڑی تبدیلی تھی خلافتِ عثمانیہ اپنی آخری سانسیں لے چکی تھی اور سعودی عرب میں وہابی مذہب کی ترویج واشاعت زور وشور سے جاری تھی۔ اسی ماحول میں القصیمی نے آنکھ کھولی۔ القصیمی کی ذہانت کا جواب نہیں تھا، بچپن ہی سے حساس اور محنتی تھا جوانی میں تو القصیمی کی صلاحیتوں نے وہ علمی جوہر دکھائے کہ علمی دنیا حیران رہ گئی۔

1927 کے دوران جامعہ ازہر مصر میں القصیمی نے داخلہ لیا اور بیس سال کے اس طالب علم نے ازہر کے فلاسفرز اور اسکالرز کی ناک میں دم کر کے رکھا، القصیمی نے ازہر کے نامور اسکالر یوسف دجوی کی کتاب کے رد میں "البروق النجدية" کتاب لکھ کر تہلکہ مچا دیا، کتاب عرب دنیا میں پھیل گئی ازہر یونیورسٹی نے ان سے جان چھڑانے کا فیصلہ کیا، اسے یونیورسٹی سے نکال دیا۔

اس کی دوسری کتاب "الصراع الإسلام والوثنية" اسلام اور نیشنل ازم کا ٹکراؤ اس کتاب نے تو دھوم ہی مچا دی۔

کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ القصیمی کی مدح میں امام کعبہ نے خانۂ کعبہ میں قصیدہ پڑھا۔ اس زمانے میں عرب کے علما یہ کہنے لگے کہ عبداللہ نے یہ کتاب لکھ کر جنت کا مہر ادا کر دیا ہے۔

لیکن پھر نہ جانے کیا ہوا کہ یہ شخص اسلام سے باغی ہو گیا، دائرہ اسلام سے نکل گیا اور ملحد بن گیا۔

میرے بیٹے! یہ محض کوئی کہانی نہیں بلکہ داستانِ عبرت ہے۔ جو شخص ساری زندگی اسلام کی وکالت کرتا رہا اب اس کا قلم اسلام کے خلاف ہی زہر اگلنے لگا۔ اس نے اسلام کے خلاف ایک کتاب "هذي هي الاغلال" یہ ہیں زنجیریں، لکھ ڈالی جس میں اس نے لکھا کہ مسلمانوں کے پیچھے رہنے میں نمازوں کے اوقات سبب ہیں، عبادات کو انھوں نے گلے میں پڑی زنجیروں سے تشبیہ دی اور خدا کے وجود کا انکار کر دیا۔

عرب دنیا میں ایک بار پھر تہلکہ مچ گیا، اس کتاب کا کئی عرب علما نے جواب بھی دیا اور اس پر شدید تنقید بھی کی گئی عرب دنیا میں اس کتاب پر پابندی لگا دی گئی۔ اسے توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوئی اور یہ اسی الحاد کی حالت میں 1996 میں مر گیا۔

میرے بیٹے! اللہ سے ڈرتے رہنا! بدبختی بتا کر نہیں آتی۔

جس کے لیے حرم میں دعا ہوتی تھی، جس کے لیے اہل علم کی مجالس میں کہنے والے یہ کہتے تھے کہ القصیمی نے جنت کا مہر ادا کر دیا اس کا

جنازہ پڑھنے والا کوئی نہیں تھا۔ تم یقیناً جاننا چاہو گے کہ وہ اسباب کیا تھے جس کی وجہ سے القصیمی کو ان حالات سے دوچار ہونا پڑا۔

اس کے بارے میں **ایک بات** یہ بہت مشہور ہوئی کہ یہ بیروت میں ایک خوب صورت عیسائی لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے اس کا دماغ خراب ہو گیا۔

میرے بیٹے! تو ایک بات یہ جان لو! فسق و فجور سے خود کو دور رکھنا اور ہر نامحرم سے فاصلہ لازمی رکھنا۔

دوسری وجہ غرور و تکبر تھا، القصیمی اپنی تعریف اور علمی مقام کے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اور بالآخر اس کے غرور و تکبر نے اس کو تباہ کر دیا۔ **تیسری وجہ** بحث و مباحثہ تھا، اسے بحث کرنے کی عادت تھی، یہ ہر چیز کو بحث کی میزان پر رکھتا، شک کے ترازوں میں تولتا یہاں تک کہ یہ اپنے وجود پر بھی سوالات اٹھاتا تھا۔ **چوتھی وجہ**، مخالف فکر کی کتب کا حد سے زیادہ غیر ضروری مطالعہ تھا۔

میرے بیٹے! باطل قوتیں بھی فکر کی دنیا میں اپنے ہتھیاروں کے ساتھ ہی حملہ آور ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی ان کی زد میں آنے سے بڑے سے بڑا علامہ، فہامہ بھی نہیں بچ پاتے۔ ہمہ وقت اللہ کا فضل و کرم طلب کرتے رہنا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ. اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بے شک تو ہے بڑا دینے والا۔

میرے بیٹے! تمھاری شہرت، نیک نامی، تمھاری خدماتِ دین، تمھاری تصانیف و تقاریر سب اسی وقت کامیاب قرار پائیں گی جب تمھارا خاتمہ بالخیر ہو، بس اس وقت یہ دیکھا جائے گا کہ جام ٹوٹا ہے یا توبہ..... ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہنا اپنے انجام کا سوچنا کہ خاتمہ بالخیر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ تمھارا حامی و ناصر ہو۔ والسلام

اسمٰعیل بدایونی۔ 10 مارچ 2025

(ص:45 کا بقیہ)...

"اس کے صحت کا معیار یہ ہے کہ اگر 'د' (دال) کی آواز معلوم ہو تو سمجھنا چاہیے کہ صفت استطالت ادا نہیں ہوئی"، کیا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ میں نہیں لکھا کہ "(ظ) میں اگر استطالت واقع ہو جائے تو 'ض' ہو جائے"۔

کیا کہا؟ "عرب و عجم میں سبھی دال کے مشابہ پڑھتے ہیں"! عجیب بات ہے! وہ تو تمھیں تقلید کی بنا پر مشرک کہیں اور تم اس معاملے میں ان غیر مقلدوں کی تقلید کرو!

الحمدللہ، میرے صحیح ادا کرنے والو سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی، مفتی شریف الحق امجدی کے فتوے کا یہ اقتباس پڑھو:

"بحمدہ تبارک و تعالیٰ اس خادم کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے اکثر خلفا کے پیچھے بارہا نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ کسی کو ضاد کو دال کے مشابہ پڑھتے نہیں سنا، سب کی قراءت ظاء کے مشابہ ہی تھی۔"

مانا کہ میں اصبع الحروف ہوں لیکن میری اہمیت سمجھانے اور مجھ سے لاپرواہی کے انجام سے ڈرانے کے لیے امام اہل سنت مجود اعظم امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نہیں بلکہ دو مستقل رسالے خاص میرے بارے میں تحریر فرمائے۔

اب اپنے درد کا افسانہ انہی رسالوں میں مرقوم اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہدایت آموز جملوں پر ختم کرتا ہوں خدارا ان کو بغور پڑھو اور میرا حق مجھے پورا پورا دو۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "لاجرم اس قدر تجوید کہ ہر حرف دوسرے سے ممتاز اور تبدیل و تلبیس سے احتراز ہو ہر مسلمان پر لازم ہے، تصحیح مخارج و اقامت حروف کا اہتمام فرض مہتمم"۔ مزید رقم طراز ہیں: "آدمی سے کوئی حرف غلط ادا ہوتا ہے تو اس کی تصحیح و تعلم میں اس پر کوشش واجب، اگر کوشش نہ کرے گا معذور نہ رکھیں گے اور نماز نہ ہوگی"۔

▪▪▪

مغربی کنارے میں رمضان:
سب بکھرا ہوا، سبھی بے گھر ہیں: فلسطینیوں کا درد

اسرائیل کی جانب سے مغربی کنارہ اور غزہ میں رمضان المبارک میں بجلی، امداد اور صاف پانی کی ترسیل روک دینے کے سبب حالات مزید ابتر ہوگئے ہیں۔ فلسطینی انتہائی کس پرسی کے عالم میں ماہ مبارک کے روزے رکھ رہے ہیں۔ مغربی کنارے میں واقع تلکرم پناہ گزین کیمپ میں نور بلیدی کے چھوٹے سے گھر کو اسرائیلی فورسیز نے مسمار کردیا۔ اور انہوں نے رمضان کا آغاز اپنے ملبہ زدہ مکان میں کیا۔ آکسفیم کے مطابق، بلیدی ان تقریباً 40 ہزار فلسطینیوں میں سے ایک ہیں جنہیں اسرائیل کی جانب سے 21 جنوری کو فوجی کارروائیوں کا آغاز کرنے کے بعد سے مقبوضہ مغربی کنارے میں پناہ گزین کیمپوں سے فرار ہونے پر مجبور کیا گیا تھا جو 1967 کے بعد سے سب سے بڑے پیمانے پر نقل مکانی کا نشان ہے۔

افطاری کے بعد لطف اندوز ہونے کے لیے رمضان کے روایتی پکوان فتحہ اور مساخان تیار کرنے کے بجائے، بلیدی، ہزاروں دوسرے لوگوں کی طرح جو تلکرم، جنین، اور نور شمس کیمپوں سے بے گھر ہوئے، بنیادی غذائی امداد کے عطیات پر انحصار کرنے پر مجبور ہیں۔

شمالی مغربی کنارے میں اسرائیلی فوج کی بڑھتی ہوئی موجودگی علاقوں کو کھنڈروں میں تبدیل کررہی ہے۔ فلسطینی محکمہ صحت کے حکام کے مطابق 7 اکتوبر 2023 کے بعد سے مغربی کنارے میں 187 بچوں سمیت کم از کم 927 فلسطینی ہلاک ہو چکے ہیں۔ مزید 7 ہزار زخمی ہوئے ہیں اور 14 ہزار 500 کو بغیر کسی جرم کے حراست میں لیا گیا ہے۔ بے گھر افراد جہاں کہیں بھی جگہ پاتے ہیں پناہ لے لیتے ہیں۔ ہنگامی پناہ گاہیں، بھرے اپارٹمنٹس، یا رشتہ داروں کے گھر، بے گھر افراد عارضی طور پر پناہ لیے ہوئے ہیں۔

تلکرم کیمپ کے ایک اور بے گھر باشندے احمد ماری نے کہا کہ ”ہم خدا کے لیے روزہ رکھتے ہیں مگر رمضان میں جو خوشی ہوتی تھی، اب وہ نہیں ہو رہی ہے۔ ہمیں ہمارے گھروں سے زبردستی نکالا گیا، اور ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اب وہاں کیا باقی ہے۔ ایک قریبی پہاڑی پر جینین کے ایک پناہ گزین یوسف شریم اپنے گھر کے کھنڈرات کو دیکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اب ایک عجیب جگہ کی طرح محسوس ہوتا ہے۔ میں اپنے گھر پر افطار کا اہتمام کرتا تھا مگر اس سال، ہم بکھرے ہوئے ہیں۔ اپنے گھر سے دور افطار کرنے کے دل کے ٹوٹنے کا تصور کریں، یہ جانتے ہوئے کہ یہ تباہ ہو رہا ہے۔ کوئی لفظ اس احساس کو بیان نہیں کر سکتا۔ اب زندگی ایک ہی کمرے میں سمٹ گئی۔

ایک اور بے گھر فلسطینی، نہایہ الجندی نے جلاوطنی میں رمضان گزارنے کے ناقابل برداشت جذباتی نقصان کو بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ ”آپ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے کہ بے گھر خاندانوں پر کیا گزر رہی ہے، خاص طور پر افطار کے وقت۔ یہ زخم کبھی نہیں بھرے گا۔“ ***

خیر و خبر

بزم فروغ نعت کا 50 واں طرحی نعتیہ مشاعرہ

مبارک پور، اعظم گڑھ۔ بزم فروغ نعت صرف ایک ادبی ادارہ نہیں بلکہ ایک تحریک ہے جو صنف نعت کے فروغ کے لیے پیش پیش ہے، علاوہ ازیں مبارک پور اور قرب وجوار کے ان شعرا کو بھی زندہ رکھنے کی فکر میں ہے جو سالہا سال پہلے گمنامی کی چادر اوڑھ کر اپنے مرقد میں سو گئے، اس کی تازہ مثال "نیر نامہ" ہے جس کی اشاعت میں مہتاب پیامی نے اہم رول ادا کیا، الحمدللہ اس کی رسم رونمائی بھی چند دن پہلے عمل میں آچکی ہے، لائق مبارک باد ہیں ادارہ بزم فروغ نعت کے روح رواں الحاج مہتاب پیامی جن کی انتھک و بے لوث محنت و محبت سے یہ سارے امور انجام پزیر ہو رہے ہیں، ادارہ ان کی اس بے لوث محبت کو سلام پیش کرتا ہے، دعا ہے مولا انھیں عمر خضر عطا فرمائے۔

بزم کا 50 واں ماہانہ نعتیہ طرحی مشاعرہ محلہ پورہ رانی ڈاکٹر محمد خالد اشرفی مرحوم کے مکان پر بحسن وخوبی اختتام پذیر ہوا، صدارت سفر اعظمی و نظامت ماسٹر عبدالعزیز مبارکپوری نے کی جب کہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے الحاج اظہار احمد نے شرکت فرمائی۔ پروگرام کا آغاز قاری کلیم پیامی کی تلاوت قرآن کریم سے ہوا، شعرا نے مصرع طرح "چمن چمن میں بسی ہوئی ہے پسینۂ مصطفیٰ کی خوشبو" کے تحت بارگاہ خیر الانام میں منظوم نذرانۂ عقیدت پیش کیا، پسندیدہ اشعار نذر قارئین ہیں:

مشام جاں میں بسی ہے جنکے ریاض خیر الوریٰ کی خوشبو
نہیں ہے درکار آج انکو گلاب یا مونگرا کی خوشبو

مظہر چشتی

یہ انکا تحفہ نہیں تو کیا ہے یہ انکا صدقہ نہیں تو کیا ہے
مہک اٹھا ہے وجود میرا ملی جو صل علیٰ کی خوشبو

خبیر مبارکپوری

کوئی ہو عاصی کہ نیک بندہ ہر اک بشر کی یہ آرزو ہے
مرے کفن میں لگا دی جائے در حبیب خدا کی خوشبو

ماسٹر انیس مبارکپوری

مرے لبوں نے ثنا پڑھی تو ہوا یہ محسوس میرے دل کو
کہ جاگ اٹھا مرا مقدر ملی ہے حمد خدا کی خوشبو

حسان احسانی

اسی سے مہکے شمال و مغرب اسی سے مہکے جنوب و مشرق
جو آمنہ کے مکاں سے نکلی محمد مصطفیٰ کی خوشبو

ابو دجانہ حنظلہ

ہزار سجدوں میں ہے نمایاں حسین تیرا وہ ایک سجدہ
جو دے گیا ارض کربلا کو عبادت کبریا کی خوشبو

عبدالخبیر دانش

ان کے علاوہ ارشاد مبارک پوری، جامیؔ، نور الامین مصطفیٰ آبادی، شمیم احمر، ملت لوہیاوی حافظ اسداللہ اور دیگر شعرا نے بھی اپنا کلام پیش کیا، پروگرام کا اختتام صلاۃ وسلام اور قاری کلیم پیامی کے دعائیہ کلمات پر ہوا، آخر میں کنوینر مشاعرہ مہتاب پیامی و ارشاد مبارکپوری نے جملہ شعرا و سامعین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آئندہ ماہ کے لیے مصرع طرح "رکھتے ہیں جو رسول کی رحمت سے ربط ضبط" کا اعلان کیا اس موقع پر کثیر تعداد میں سامعین موجود تھے۔

▪▪▪

خیابان حرم

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یہ غم قسم خدا کی اٹھایا نہ جائے گا
ہم سے مدینہ چھوڑ کے جایا نہ جائے گا
عشقِ نبی ہے رب کی رضا کے حصار میں
"پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا"
کانٹے ہوں جس پہ بغض کے اس شاخ پر کبھی
ان کی عطا کا پھول کھلایا نہ جائے گا
مداح مصطفیٰ کا ملا ہے مجھے خطاب
مجھ سے تو یہ خزانہ چھپایا نہ جائے گا
یہ فیصلہ ہوا ہے دیار رسول میں
ایسا سکون اور کہیں پایا نہ جائے گا
ہر لمحہ ان کی عظمتیں پاتی رہیں عروج
قد تجھ سے مصطفیٰ کا گھٹایا نہ جائے گا
سرکار دوجہاں کی زباں کا بھی ورد ہے
ذکر حسین امر ہے مٹایا نہ جائے گا
ہم لوگ ان کو چاہنے والوں کی صف میں ہیں
احسان ان کا ہم سے بھلایا نہ جائے گا
تو جان دے دے عشق شہ کائنات میں
پھر اس کے بعد تجھ کو ستایا نہ جائے گا
اے نورؔ مجھ کو نعت نگاری کے فیض سے
حاصل جو ہے سُرور بتایا نہ جائے گا

سید محمد نورالحسن نورؔ نوابی قاضی پور شریف

پروانہ محمد کا

ازل سے نقشِ دل ہے نازِ جانانہ محمد کا
کیا ہے لوح نے محفوظ افسانہ محمد کا
ڈرے کیا آتشِ دوزخ سے دیوانہ محمد کا
کہ اٹھّے شعلے گُل کرتا ہے پروانہ محمد کا
ظہورِ حال و مستقبل سے ماضی کو ملا دوں گا
مجھے پھر آج دُہرانا ہے افسانہ محمد کا
رسائی کب ہے اُس تک ہوش انساں عقل قدسی کی
جو اپنی رَو میں بَہک جاتا ہے دیوانہ محمد کا
دوئی اک داغِ تہمت غیریت الزام بے معنی
وہ اپنا ہے جسے اپنائے یارانہ محمد کا
شفاعت کی دعا میں وہ ہوا دیتے ہیں پر اس کے
جہنم کو بجھا سکتا ہے پروانہ محمد کا
یہاں سے تا بہ جنت روک ہے کوئی نہ پرسش ہے
جہاں چاہے چلا جا بن کے پروانہ محمد کا
شعاع اس پار شیشے کے نظر اس پار شیشے کے
کہ ازل سے نقش دل ہے ناز جانانہ محمد کا
درود اول سخن ہو آرزوؔ پھر شعر نعتیہ
زباں دھو ڈال اگر کہنا ہے افسانہ محمد کا

از: **آرزو لکھنوی**

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

MAY 2025

(Mob. No.) 9450109981 (Mumbai Office) 022-23726122 (Delhi Office) Tel. 011-23268459, Mob.No. 9911198459

www.aljamiatulashrafia.org Email: info@aljamiatulashrafia.org

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا علمی فیضان ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ اب عالم گیر ہوگیا ہے۔ اشرفیہ نے جس برق رفتاری سے ارتقائی منزلیں طے کی ہیں اشرفیہ کے معاونین اور دیگر اہلِ خیر اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس وقت دو سو پچاس سے زائد افراد پر مشتمل ایک متحرک اور فعال اسٹاف اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور مختلف شعبوں میں تقریبًا گیارہ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بیرونی طلبہ کی خوراک، رہائش اور اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں پر ایک خطیر رقم سالانہ خرچ کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ادارہ بجاطور پر اہلِ خیر حضرات کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ والسلام

عبدالحفیظ عفی عنہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

DONATION

You can make donation by cheque, Draft or by online in the favour of-

(For Education) برائے تعلیمی چندہ	(For Construction) برائے تعمیری چندہ
(1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Central Bank of India** **A/C 3610796165** IFSC. Code: CBIN 0284532	(1) Aljamiatul Ashrafia **Central Bank of India** **A/c 3610803301** IFSC. Code: CBIN 0284532
(2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Union Bank of India** **A/C 303001010333366** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301	(2) Aljamiatul Ashrafia **Union Bank of India** **A/c 303002010021744** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301
(3) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Punjab National Bank** **A/c 05752010021920** IFSC. Code : PUNB0057510	(3) Aljamiatul Ashrafia **Punjab National Bank** **A/c 05752010021910** IFSC. Code : PUNB0057510

(1)- Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12

BHIM
BHARAT INTERFACE FOR MONEY

BHIM UPI Payments Accepted at Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Account Number : 3610796165, IFSC Code: CBIN0284532

SCAN & PAY ANY UPI SUPPORTED APPS

Only for Foreign Countries. FCRA Registration. No.236250051 Nature: Educational Social. For Account Detail, please visit http://aljamiatulashrafia.in/donation.php?lang=EN